ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور پاکستان

بانی ادارہ
شیخ التفسیر
حضرت مولانا احمد علی
قدس سرہٗ

مسلمان حکمران اور خزانہ ملکی

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت سے پہلے تجارت فرماتے تھے صحابہ علیہم الرضوان کے اصرار پر آپ نے خلیفہ بننے کے بعد بیت المال سے روزینہ لینا شروع کر دیا جس کی کل مقدار سوا دو سالہ مدت خلافت میں آٹھ ہزار درہم ہے لیکن وفات کے قریب فرمایا:

"میرے پاس مسلمانوں کا جو مال موجود ہے اسے بیت المال میں واپس کر دیا جائے کیونکہ میں اس مال سے کچھ نہیں لینا چاہتا اور میں نے زمانہ خلافت میں جو مال اپنے خرچ میں لایا ہوں اس کے بدلے اپنی زمین کا فلاں فلاں ٹکڑا مسلمانوں کو دیتا ہوں اس کی قیمت بیت المال میں داخل کرا دیں۔"

(سیرت صدیق اکبرؓ للرضا مصری)

★

٦٠ پیسے

١١ جولائی ٦٥

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ کی تعظیم

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَحَبَّ عَبْدٌ عَبْدَ اللّٰہِ اِلَّا اَکْرَمَ رَبَّہٗ عَزَّ وَجَلَّ۔

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس اللہ کے بندے نے کسی اللہ کے بندہ کو دوست رکھا۔ اس نے اپنے بزرگ و برتر رب کی تعظیم کی۔

ہمارا آپس کا میل جول زندگی کے خوشگوار بنانے کے لیے نہایت ضروری چیز ہے۔ لیکن یہی میل جول اس زندگی کے آگے کی زندگی کے بہتر بنانے کا ذریعہ بھی ہو سکتا ہے۔ اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اوّل تو زندگی کو ایک ایسا سلسلہ بتایا ہے جو مرنے سے ختم نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے بعد بھی جاری رہے گا۔ اور پھر کبھی موت نہ آئے گی۔ اس لیے انسان پر لازم ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں مفید اور نیک کام اس طرح کرے کہ ان کا پھل اسی زندگی میں ختم نہ ہو جائے بلکہ آئندہ زندگی میں بھی ہمیشہ ہمیشہ ملتا رہے اور یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ اچھے کام فقط اس دنیا کے فائدے کے خیال سے نہ کرے بلکہ اس کے کرنے کا مقصد اس سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہو اور وہ یہ ہے کہ ہر اچھا کام کرتے وقت یہ نیت رکھے کہ میں یہ کام اللہ کے لیے کر رہا ہوں بس یہی وہ گُر ہے جس سے دنیا و آخرت کی زندگی میں نیک عمل کا پھل ملے گا۔ اگر اس کے سوا کوئی اور دنیوی مقصد مقرر کیا تو وہ مقصد دنیا کے بعد ختم ہو جائے گا۔ آگے اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اللہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس لیے جو بندہ اللہ کی رضا کو اپنے نیک کاموں کا مقصد ٹھہرائے گا وہ ان کا پھل ہمیشہ کھائے گا۔

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ آپس کا میل جول فقط دنیا ہی کا نفع اٹھانے کے لیے نہ کرو۔ دنیا کتنے دن ہے۔ آج مرے کل دوسرا دن۔ جو شخص کسی سے محبت اور میل جول اس لیے کرے گا کہ میں بھی اللہ کا بندہ ہوں اور یہ بھی اللہ کا بندہ ہے تو یقیناً اس نے اپنے رب کا ادب کیا اور اپنے رب کی عزت کی۔ اس احترام کا نتیجہ لازماً یہ ہوگا کہ اللہ اس سے راضی ہو جائے گا اور دنیا اور آخرت دونوں جگہ اس کو اس کے نیک کام کا بہت اچھا بدلہ ملے گا۔

لہٰذا جس سے محبت کرو صرف اس لئے کرو کہ ہم دونوں کا ایک ہی مالک ہے۔ ہم سب کچھ اسی کی خاطر کر رہے ہیں۔ اگرچہ یہ ہمارا عمل دنیا کے اندر ہوگا اور عام انسانی مادی ضروریات کے لیے ہوگا۔ لیکن ان کا شمار نیک کاموں میں ہوگا۔

● اے اللہ! اگر میں تیری عبادت جہنم کے ڈر سے کرتی ہوں تو مجھے جہنم میں ڈال دے، اگر جنت کے لیے کرتی ہوں تو اس سے محروم کر دے۔ اگر تیرے لیے کرتی ہوں تو پھر میرا بن جا۔

(رابعہ بصری)

ہفت روزہ خدام الدین لاہور

رئیس التحریر
مفکر اسلام
قائد اسلامی انقلاب
مولانا مفتی محمود

ادارۂ تحریر
مولانا عبید اللہ انور
محمد سعید الرحمن علوی
زاہد الراشدی

جلد ۲۱ — شمارہ ۷ | یکم رجب المرجب ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۱ جولائی ۱۹۷۵ء | فی پرچہ ۶۰ پیسے

★ ——— مفکر اسلام حضرت العلام مفتی محمود مدظلہ

ملک کی عمومی صورتِ حال — اور — خواص کا فرض

اگر آپ ملک کی عمومی زندگی پر ایک نظر ڈالیں تو آپ کو ہر طرف بے چینی و پریشانی کا ایک ابلتا ہوا لاوا نظر آئے گا اور پورے ملک میں ایک ایسا آدمی بھی آپ کو نظر نہیں آئے گا جو سکھ اور چین سے زندگی گزار رہا ہو۔

ملیں، کارخانے اور فیکٹریاں صنعتکار و مزدور کی کشمکش کی آماجگاہ ہیں۔ آئے دن وہاں ہڑتالیں ہوتی ہیں، تالہ بندیاں ہوتی ہیں۔ چھانٹی کے چکر چلتے ہیں۔ اس سے آگے بڑھ کر ہاتھ اُٹھتے ہیں گھیراؤ پر پڑتے ہیں، لاٹھی گولی کا مرحلۂ خونیں آتا ہے جس سے سہاگ اُجڑتے ہیں، بچے یتیم ہوتے ہیں اور بوڑھے والدین بے سہارا ہو کر رہ جاتے ہیں۔

سونا اُگلنے والی زمینیں مالک و مزارعہ کی باہمی چپقلش کے سبب ویران ہوتی چلی جا رہی ہیں اور اچھی قسم کی کھادوں، بہترین بیج، نئے نئے آلات زراعت کی فراوانی وغیرہ کے باوصف خوراک کے معاملہ میں ہمارا ہر دن پچھلے دن سے ابتر صورت میں سامنے آتا ہے۔ منڈی اور بازار میں گاہک ہو یا دکاندار ہر ایک پریشان حالی کا شکار ہے۔ گاہک اگر اشیاء کی نایابی، کمیابی اور شدید مہنگائی کا رونا روتا ہے تو دکاندار کاروبار کے عدم استحکام کا شاکی ہے۔ صبح و شام بھاؤ بدلتے ہیں اور لوگ کنگال سے سرمایہ دار اور سرمایہ دار سے کنگال ہو جاتے ہیں۔

تعلیم گاہوں کی طرف چلیں تو یہاں آپ کو سب سے بدترین صورت نظر آ جائے گی۔ یہ ادارے جو قومی زندگی کی تعمیر میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں مقتل میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ استاد و شاگرد کا مقدس رشتہ پامال ہو چکا ہے۔ اعلیٰ اسلامی قدریں دم توڑ چکی ہیں۔ اور شرافت و انسانیت کا دامن تار تار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس صورت کو دیکھ کر لوگ جہالت کو ترجیح دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ انتظامی شعبے حکمران پارٹی کے خطرناک اندرونی لڑائی جھگڑے کے پیش نظر اپنی افادیت کھو چکے ہیں۔ کھینچا تانی کا نہ ختم ہونے والا ایک سلسلہ جاری ہے۔ انتظامیہ کے کارکن دانتوں

ہیں انگلیاں دبائے سوچتے ہیں کہ یا اللہ! کس کی مانیں کس کی نہ مانیں؟

عدلیہ کا جہاں تک تعلق ہے تو ہمیں اس کا بے حد احترام ہے لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ وہ خود زخم خوردہ ہے۔ جسٹس بشیر الدین جیسے لوگوں کی داستان غم بھلائی نہیں جا سکتی جنہیں عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنے کا خمیازہ بھگتنا پڑا اور سانگھڑ کا سیشن جج ڈی پی آر کا شکار ہوا تو عوامی سطح پر اس شعبہ میں بھی محتاط رہنے کی بات چل نکلی۔

اس کے علاوہ تازہ مسائل جو ملک کو درپیش ہیں ان میں بینکوں کی ہڑتال ہے۔ بدقسمتی سے بینک قومیائے گئے اور اب یہ حالت ہے کہ اچھے بھلے پڑھے لکھے ملازم شکوہ کناں مائل بہ احتجاج ہیں۔

ٹرانسپورٹ کا مسئلہ یار لوگوں نے ایسا الجھایا کہ مالکان چیخ رہے ہیں اور کیا عجب کہ کچھ دم ہی توڑ کر رہ جائیں۔

قومیائے جانے والے تعلیمی اداروں میں کام کرنے والوں کی آہ و فریاد روزمرہ کا معمول بن چکی ہے۔

اور ہر شعبہ زندگی میں رشوت و خیانت، بددیانتی وغیرہ تو لازمہ حیات ہیں اور آکاس بیل کی طرح پھیلتی ہی جا رہی ہیں۔

اس صورت حال کو دیکھ کر ایک حساس، باشعور، ذہین و مخلص شہری کا کلیجہ پکڑ کر رہ جانا، ملک کے معاملہ میں مشوش ہونا، ملک کے مستقبل سے ایک گونہ مایوسی کا اظہار کرنا قرین عقل نہیں تو اور کیا ہے؟

جہاں پورا نظام زندگی مختل ہو، دن دہاڑے ڈاکے پڑتے ہوں، عزتیں لٹتی ہوں، عدل و انصاف عنقا ہو، کرپشن عام ہو وہاں منفی سوچ ہی کام کرتی ہے اور ظاہر ہے کہ منفی سوچ کے نتائج بھی اندوہناک ہوتے ہیں۔

اس مرحلہ پر سب سے زیادہ ذمہ داری ارباب حکومت پر ہوتی ہے کہ وہ اپنے تمام وسائل بروئے کار لا کر معاشرہ کی بے چینی کو دور کرے اور امن و اطمینان کی فضا پیدا کرے۔

لیکن جب حکومت خود تمام امراض کی جڑ ہو جیسے ہمارے یہاں ہیں تو پھر ملک کے باشعور، سنجیدہ اور اپنے اپنے دوائر میں اثرات کے حامل عناصر کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اجتماعی جدوجہد سے حالات کا رخ بدلنے کے لیے میدان میں آئیں اور بے لگام و شتر بے مہار عناصر کے ہاتھ سے قیادت چھین کر صالح و متدین افراد کے ہاتھ میں زمام کار دیں۔

اگر خدانخواستہ یہ کام کرنے کی صلاحیت رکھنے والے لوگ آگے نہیں بڑھیں گے اور دریا کی خوفناک موجوں کے آگے بند نہیں باندھیں گے تو وہی موجیں گلشن ہستی کی تباہی کا باعث بن جائیں گی اور پھر نیک و بد اور اچھے برے کی تمیز نہیں ہوگی بلکہ یہ بے رحم موجیں سبھی کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہوئے بربادی کے عمیق غار میں دھکیل دیں گی۔

اس لیے

اے طبقہ خواص! مشائخ طریقت، علماء کرام اور زندگی کے دوسرے شعبوں سے متعلق ارباب بصیرت اس وقت سے پہلے اپنا فرض ادا کرنے کے لیے میدان میں آ جاؤ۔ جب ادائیگی فرض سے گریز کرنے والوں کا کوئی پرسان حال نہیں ہوگا اور وہ خس و خاشاک کی طرح مسلے جائیں گے۔

مجھے امید ہے کہ میری یہ صدا رائیگاں نہیں جائے گی اور گلشن ہستی سے پیار کرنے والے اس کو بے رحم صیاد سے بچانے کے لیے اپنا کردار ضرور

ادا

کریں

گے

شذرات

متحدہ محاذ کے رہنماؤں سے!

اپنی کابینہ کا اعلان کیجئے

پچھلے دنوں "قلب پاکستان" لاہور میں آپ حضرات کی کوشش سے جس تاریخ ساز کنونشن کا انعقاد ہوا تھا اس میں ایک فاضل مقرر جناب عبدالرشید قریشی ممبر بار کونسل نے ایک تجویز پیش کی تھی کہ محاذ کو اپنی کابینہ کا اعلان کرنا چاہیئے تاکہ متبادل قیادت کا صحیح اور مؤثر مفہوم سامنے آسکے۔ نیز عوام اطمینان کا سانس لے سکیں۔

فاضل مقرر کی یہ تجویز بلاشبہ بڑی اہم ہے حقیقت یہ ہے کہ "نئے پاکستان" کے ڈکٹیٹر صفت رہنما کے ظلم و تشدد اور جور و جفا کے پیش نظر جماعتی مقاصد اور پروگرام کو چھوڑ کر ایک مشترکہ پروگرام کے تحت جس محاذ کی نیو آپ نے اٹھائی تھی وہ اس ملک کی تاریخ کا ایک عدیم المثال کارنامہ تھا۔

ہر چند کہ بعض لوگ محاذ کے معاملہ میں عجیب و غریب قسم کی باتیں کرتے ہیں اور اسے بے عملی وغیرہ کے طعنے دیتے ہیں۔ لیکن خدا لگتی یہ ہے کہ پاکستان کے مخصوص حالات میں اس قسم کے محاذ کی تشکیل ہی ایک اتنا بڑا کارنامہ ہے جس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ پھر اس محاذ نے اپنی تین سال کے قریب عمر میں ملک کے طول و عرض میں ظلم و سفاکی کے بدترین مناظر دیکھ کر بھی جس طرح ہمت نہیں ہاری بلکہ ہر حادثہ کے بعد اس کی جرأت و دلیری میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ وہ کوئی معمولی بات نہیں۔

اس کے ساتھ جو سب سے بڑا فائدہ ہوا وہ یہ ہے کہ اس ملک کے برخود غلط دانشور جو حکومتی دسترخوان کے ریزہ چین ہونے کے سبب بھٹو اور ملک کو لازم و ملزوم قرار دیتے ہوئے متبادل قیادت کے فقدان کی بات کرتے ہیں ان کو منہ توڑ جواب مل گیا ہے۔ تاہم ماضی کے محاذوں سے متعلق تلخ تجربات کے پیش نظر عوام اس قسم کے خدشات کا اظہار کرتے ہیں کہ جب کبھی کسی بھی سبب سے حکومت کی باگ ڈور محاذ کے ہاتھ میں آئی تو تقسیم کار و مناصب پر اختلافات لازماً رونما ہوں گے اور یہ محاذ نسیاً منسیا ہو کر رہ جائے گا۔

سچی بات یہ ہے کہ بعض مواقع پر اس قسم کے خطرات واقعیت کا روپ دھار کر قومی زندگی کو برباد کرنے کے قریب ہی ہوتے ہیں کہ آپ کا خلوص و تدبر حالات کو سنبھال لیتا ہے اور بعض چوتھے درجہ کے کارکنوں کی ناعاقبت اندیشی سے پیدا ہونے والے خطرات ٹل جاتے ہیں۔

لیکن اگر آپ حضرات اپنے ایک ساتھی کی ایک مخلصانہ تجویز کا سنجیدگی سے جائزہ لیں اور اس کی معقولیت کا احساس کرتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہوں تو جہاں ایک طرف عوام مطمئن ہو جائیں گے وہاں مختلف پارٹیوں کے اس قسم کے کارکن جو بظاہر خلوص لیکن فی الحقیقت کم عقلی سے حالات کے بگاڑ کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ ان کے لیے بھی ایک رکاوٹ بن جائے گی۔ اور وہ کوئی اس قسم کا غلط اقدام نہیں اٹھا سکیں گے۔

اور اس بات کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ارباب حکومت آپ کے اس خلوص، باہمی رواداری و محبت اور تدبر و دوراندیشی کا سامنا نہ کر سکیں گے اور حالات جلد رو بہ اصلاح ہو جائیں گے۔

۳۰/۶/۱۹۷۵

بھٹو صاحب

۶ فروری کی طرف پلٹیں

چند دن پہلے مرکزی اسمبلی میں قائد ایوان مسٹر بھٹو تشریف لائے وہ کئی ماہ بعد کبھی کبھار تشریف لایا کرتے ہیں۔ اور جب آتے ہیں تو کوئی نہ کوئی گل کھلاتے ہیں۔

اب وہ آئے تو انہوں نے بجٹ پر بحث کو

ہی نہیں سمیٹا بلکہ پیپلز پارٹی کے "اندرونی دشمنوں" پر تابڑ توڑ حملے کئے، حسبِ روایات ان کا مذاق اڑایا۔ اور ان کے حقیقی چہرے ان کے سامنے رکھے۔

ہمیں ان کی تقریر کے اس حصہ پر تبصرہ کی ضرورت نہیں کہ یہ "داخلی معاملہ" ہے اور داخلی معاملات میں مداخلت کو ہم جائز نہیں سمجھتے البتہ اس موقعہ پر متحدہ حزب اختلاف کے متعلق جو کچھ فرمایا۔ اس کے متعلق چند سطور عرض ہیں:

ہماری دیانتدارانہ رائے یہ ہے کہ محاذ کے واجب الاحترام ممبروں کی طرف سے بائیکاٹ کے بعد یہ پہلا موقعہ تھا کہ بھٹو صاحب نے کسی قدر سنجیدگی کے ساتھ بائیکاٹ کے ختم کی ضرورت پر زور دیا۔ یہ تو صحیح ہے کہ وہ اپنی روایات کے پیشِ نظر "مسخرے پن" کا مظاہرہ کرتے رہے تاہم ان کے ارشادات کے بین السطور معلوم ہوتا تھا کہ بائیکاٹ سے وہ دکھی ہیں۔

ایسا کیوں؟ میں سمجھتا ہوں کہ متحدہ محاذ کی سپیشل کانفرنس اور پھر اس میں ملّتِ اسلامیہ کے فرزند عظیم قائد محترم مفتی محمود کی تقریر نے تو ان کی نیند حرام کر دی ہے کیونکہ مفتی صاحب کی تقریر بقول کسے حاصل کانفرنس تھی۔ پالیسی بیان تھا اور اس میں بعض ایسی باتیں تھیں جن سے حکومت کی پریشانی لازمی ہے۔ مثلاً غیر ممالک کے سربراہوں کو قرضوں کی رقوم کے معاملہ میں محتاط رہنے کا مشورہ اور اسلحہ سے متعلق پاکستانی قوم کے تحفظ کی یقین دہانی وغیرہ

اب آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ اس سے حکومت اور اس کے سربراہ مسٹر بھٹو پریشان نہیں ہوں گے تو اور کیا ہوگا۔

یہ تھا پس منظر جس میں بھٹو صاحب نے بائیکاٹ کے خاتمہ کے متعلق کسی قدر سنجیدگی سے بات کی اور اس کے ہر حال میں خاتمہ کی ضرورت! پر زور دیا۔

جناب بھٹو صاحب کی اس تقریر کے بعد حزب اختلاف نے ۲۷ر جون کو اسمبلی میں جانے کا فیصلہ کیا تاکہ اس پیشکش کا جواب دیا جا سکے۔ چنانچہ مقررہ تاریخ کو پچھلے پہر کے اجلاس میں حزب اختلاف کے ممبران قائمقام لیڈر مفتی محمود کی قیادت میں اسمبلی گئے۔

مفتی صاحب نے علالت کے باوجود ہسپتال سے وقتی اجازت پر اسمبلی جانے کا فیصلہ کیا۔ وہاں جا کر ایک بیان پڑھا جس میں اپنے دیرینہ مؤقف کا اعادہ تھا کہ حکومت ۶؍ فروری کے معاہدہ کو اپنائے، بائیکاٹ ابھی ختم ہو جائے گا۔ اس پر حکومت کی طرف سے ترجمانی کا فرض ادا کرتے ہوئے مسٹر پیرزادہ نے عجیب بچگانہ باتیں کیں اور کہا کہ اس معاہدہ کی حیثیت عام مفاہمت کے سوا کچھ نہ تھی۔ اور یہ کہ اس میں کسی خاص مسئلہ کا ذکر نہ تھا۔

ہمیں پیرزادہ کا یہ بیان پڑھ کر انتہائی افسوس ہوا کیونکہ اس معاہدہ کے معاملہ میں موصوف خود ہی پیش پیش تھے۔ اس کا تعلق بعض واقعات سے تھا۔ اور اسے ایوانِ بالا و زیریں میں پڑھا گیا، توثیق ہوئی لیکن آج یہ اندازِ گفتگو؟

گزشتہ دنوں بھٹو صاحب نے ایک مرتبہ سرے سے اس معاہدہ کا ہی انکار کر کے پوری پارلیمنٹ اور اپنے نفسِ ناطقہ پیرزادہ وغیرہ کی عزت افزائی کی اور اب پیرزادہ صاحب یہ گوہر افشانی فرما رہے ہیں؟

حد ہے کہ ان لوگوں کو اپنے پڑھے لکھے کا بھی احساس نہیں؟ سیدھی بات یہ ہے کہ اے اربابِ اقتدار! اگر تمہیں ملک عزیز ہے، قوم کا مفاد عزیز ہے تو شرافت سے ۶؍ فروری کی طرف پلٹ جاؤ ورنہ خائن و بددیانت اور بدعہد لوگوں کی فہرست میں تمہارا نام بھی لکھا جائے گا اور تم بھی "فسانۂ ماضی" بن کر رہ جاؤ گے۔

وما علینا الا البلاغ

خطبہ جمعہ

مرتب

محمد سعید الرحمن علوی

حضرت صدیق اکبرؓ کے احسانات کا بدلہ

کسی کے بس میں نہیں!

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

الحمد للہ وکفٰی وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: لاسیما علیٰ رسولہ المجتبیٰ وعلیٰ الہٖ واصحابہٖ ومن بھدہٖ مقتدی۔

امّا بعد: اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ط ذٰلِکَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰہِ وَکَفٰی بِاللّٰہِ عَلِیْمًا ○

یہ دو آیتیں جو تلاوت کی گئیں سورۂ نساء کے نویں رکوع کی آخری آیتیں ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے پیغمبر برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے والے لوگوں پر ہونے والے انعامات میں صرف ایک انعام یعنی "اچھی رفاقت" کا تذکرہ کیا ہے کہ یہ لوگ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے۔ اور آگے فرمایا:۔

وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا۔ کہ اچھی ہے ان کی رفاقت۔

اس کے ساتھ ذالک الفضل من اللہ فرما کر یہ واضح کر دیا کہ

"اللہ اور رسولؐ کے حکم ماننے والوں کو انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی رفاقت میسر آنی اللہ کا بڑا انعام اور اس کا محض فضل ہے۔ ان کی اطاعت کا معاوضہ نہیں۔" (مولانا عثمانی مرحوم)

درحقیقت یہ آیت کریمہ قرآن عزیز کی ایک دوسری آیت کی تشریح و تفسیر ہے جو سورہ الفاتحہ کی چھٹی آیت ہے۔ اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بندوں کو دعا سکھلائی اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کہ اے اللہ! ہمیں سیدھی راہ دکھا۔

سیدھی راہ کون سی ہے؟ اس کے متعلق فرمایا۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ۔ راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے انعام فرمایا۔

وہ افراد اور جماعتیں جن پر اللہ تعالیٰ نے فضل و احسان فرمایا۔ ان کا اس آیت میں تذکرہ ہے کہ وہ جماعتیں چار ہیں۔ نبی، صدیق، شہید، صالح۔ ان کے متعلق مفسر عثمانیؒ فرماتے ہیں:۔

"نبی وہ ہیں جن پر اللہ کی طرف سے وحی آئے اور صدیق وہ کہ جو پیغام اور احکام خدا تعالیٰ کی طرف سے پیغمبروں کو آئے ان کا جی آپ ہی اس پر گواہی دے اور بلا دلیل اس کی تصدیق کرے اور شہید وہ کہ پیغمبروں کے حکم پہ جان دینے کو حاضر ہیں اور صالح اور نیک بخت وہ کہ جن کی طبیعت نیکی ہی پر پیدا ہوئی ہے اور بری باتوں سے اپنے نفس اور بدن کی

اصلاح اور صفائی کر چکے ہیں۔"

ان چار جماعتوں میں سے صرف ایک جماعت یعنی صدیقین اور اس میں سے بھی اس گروہ کے سرخیل سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰے عنہ کے متعلق آج چند گزارشات پیش کرنی ہیں۔

جہاں تک آپ کی ذات کا تعلق ہے آپ کا نام نامی عبداللہ اور لقب صدیق و عتیق ہے۔ سورہ زمر کے چوتھے رکوع کی دوسری آیت میں اللہ تعالٰے نے آپ کی صداقت کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا:

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ یعنی جو سچ لایا اور جس نے اس کی تصدیق کی۔

اس آیت کریمہ کے متعلق مفسرین فرماتے ہیں کہ سچ لانے والے سے مراد حضور علیہ السلام کی ذات اقدس ہے اور تصدیق کرنے والے سے مراد حضرت صدیق اکبرؓ کی ذات گرامی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جماعت صدیقین میں آپ کا جو کردار ہے وہ اتنا بلند و عظیم ہے کہ ہاید و شاید! مثلاً ابتداً جو لوگ اسلام لائے ان کی فہرست پر اگر آپ نظر دوڑائیں تو وہ چار بزرگ ہیں۔ جن میں سے ایک آپ ہیں دوسرے حضرت علیؓ تیسرے حضرت زید رضی اللہ عنہم اور چوتھی نبی علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالٰے عنہا۔ ان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نابالغ اور آپؐ کی تربیت میں تھے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالٰی عنہ غلام ہونے کی حیثیت میں آپؐ کے حلقہ تربیت میں تھے جبکہ بیوی تو بہرحال بیوی ہے۔ اس مخدومہ نے آپ کی تجارتی دیانتداری سے متاثر ہو کر پیغام نکاح دیا۔ پھر پندرہ سال اکٹھے گزرے جب پہلی وحی آئی اس کے بعد بھی انہوں نے اپنے عزیز جناب ورقہ بن نوفل جو تورات و انجیل کے ماہر عالم تھے سے رابطہ قائم کیا لیکن حضرت صدیق رضی اللہ تعالٰے عنہ آپ کے محض دوست ہیں اور کسی طرح زیر اثر نہیں بلکہ وہ ایک متمول آدمی اور تاجر ہیں قبائلی سیاست میں ان کی ایک مسلمہ حیثیت ہے لیکن بے چون و چرا اسلام کو اپنایا۔ اس سے بڑھ کر واقعہ معراج کا عالم ہے کہ صبح حضور علیہ السلام کی زبان سے تفصیلات نہیں سنیں بلکہ اسلام کے دشمن عظیم ابوجہل سے سنا لیکن دنیا جانتی ہے کہ ایک لمحہ کے لیے بھی آپ کے قلب صافی کو تشکک و تردد سے پالا نہیں پڑا بلکہ دشمن کے منہ سے سن کر تصدیق کر دی۔

اس سے بڑھ کر اور کیا وجہ ہو سکتی ہے اس بات کی کہ تصدیق و یقین کے معاملہ میں وہ اپنی مثال آپ ہیں اور بلاشبہ صداقت کا تاج آپ کے ہی سر پر راس آتا ہے۔ یہی تو وجہ ہے کہ دنیا میں "صداقت صدیق" ایک نعرہ کے طور پر مشہور ہے۔

اس کے علاوہ آپ کی زندگی کے ایک ایک موڑ کو دیکھیں تو خدمت اسلام میں آپ کا امتیازی مقام نظر آئے گا۔ قبول اسلام کے بعد دعوت کا سلسلہ شروع کر کے ایک طرف مکہ کے عظیم افراد مثلاً حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف جیسے بزرگوں کو کاشانۂ نبوت پر لاتے ہیں تو دوسری طرف ستم رسیدہ اور دکھی لوگ جو دامن رسالت سے وابستہ ہونے کے "جرم" میں ظلم کا شکار ہیں ان کو ذاتی مال سے خرید کر آزاد کر دیتے ہیں۔

آپ کی پوری زندگی اس عالم میں گزرتی ہے کہ جان و مال کو خدمت اسلام کے لیے خرچ کرنے میں کبھی دریغ نہیں کیا۔ ہجرت کی رات انتہائی مصائب و مشکلات کی رات تھی لیکن پیغمبر علیہ السلام کو اپنے کندھوں پر بٹھلا کر غار تک لے جانا اور گھر میں تمام سرمایہ نقدی کو خدمت اقدس کے لیے ہمراہ لے لینا کوئی معمولی بات ہے؟

جیش عسرہ کے موقعہ پر گھر بھر کا اثاثہ آپؐ کے قدموں میں ڈھیر کر دیا۔ اپنی محبوب ترین بیٹی آپؐ کے نکاح میں دے دی۔

اس قسم کی خدمات کے علاوہ آپ کی زیرکی، دانش و فہم بھی مسلّم تھی یہی وجہ تھی کہ حضور علیہ السلام نے عمر شریف کے آخری دنوں میں بعض اشارات کے ذریعہ آپ کی جانشینی و خلافت کی طرف عام لوگوں کا رُخ موڑ دیا۔ آپؐ کا آپ کو اپنی ہی

زندگی میں مصلّٰی پر کھڑا کرنا کوئی معمولی بات نہیں پھر سانحہ وفات نبوی پر جس طرح آپ نے استقامت و بلند ہمتی کا مظاہرہ کرکے حالات کو سنبھالا وہ آپ کی دین کے معاملہ میں ثبات اور اولوالعزمی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

اور خلافت سنبھالنے کے بعد داخلی امن و استحکام کے ساتھ مانعین زکوٰۃ و مرتدین کے ساتھ نمٹنا آپ ہی کا کام تھا۔ بقول ایک فاضل ہندی یہ صحیح ہے کہ دورِ فاروقی میں اسلامی حدود میں قابلِ قدر اضافہ ہوا دفاتر وغیرہ کا اہتمام ہوا مختلف حکومتی شعبے منظم کیے گئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اگر جناب صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوا دو سالہ مدتِ خلافت میں داخلی طور پر امن و استحکام کا بھرپور انتظام نہ فرماتے تو جناب فاروقؓ کے لیے بڑی مشکلات پیدا ہو جاتیں۔

آپ نے جہاں اندرونی طور پر حالات کو سنبھالا وہاں بیرونی طور پر پیش قدمی شروع کردی۔ جس کے نتیجہ میں بعد والوں کے لیے آسانیاں ہو گئیں۔ خزانہ ملکی کے معاملہ میں آپ کا طرزِ عمل مثالی ہے۔ آپ ایک بڑے تاجر تھے۔ اور خلافت کے بعد بھی اس مشغلہ کو ذاتی اور گھریلو ضرورتوں کے لیے جاری رکھنا چاہتے تھے لیکن اربابِ شوریٰ کے مشورہ پر مختصر سی رقم بیت المال سے لینی شروع کر دی جس کی کل مقدار آٹھ ہزار درہم بنتی ہے لیکن وفات کے قریب اپنی ایک جاگیر کو فروخت کرکے اتنی رقم بیت المال میں جمع کرنے کا حکم دیا جس پر جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے آپ کے حضور زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ ایثار و قربانی کی اس سے بڑھ کر مثال اور کیا ہو گی کہ ایک عام مسلمان کے مطابق روزینہ لیتے ہیں اور پھر وہ بھی واپس کرا دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اپنی پیاری بیٹی کو ابھی استعمال شدہ کپڑوں میں کفن دینے کی وصیت ہے کیونکہ آپ کا نظریہ یہ ہے کہ نئے کپڑوں کے زیادہ مستحق زندہ لوگ ہیں

آپ سوچیں کہ انسانی تاریخ میں یہ مثالیں آپ کو اسلام کے سوا اور کہیں ملیں گی؟ اسلام کے پیغمبر نے شاہی میں فقیری کی جو داغ بیل ڈالی تھی آپ کے خدام نے اس کو پروان چڑھایا۔

حکیم الامت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے آپ کی صاف و شفاف سیرت پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا کہ آپ کی فطرت انبیاء علیہم السلام کی فطرت کے مشابہ تھی کہ آپ نے قبول اسلام سے پہلے یعنی دورِ جاہلیت میں نہ تو غیر خدا کے سامنے سجدہ کیا نہ شراب کو منہ لگایا اور نہ ہی اور کسی معاشرتی جرم کا ارتکاب کیا جو اس دور کے شرفاء کی گھٹی میں پڑے ہوتے تھے۔

ان اجمالی اشارات کے بعد جناب نبی کریم علیہ السلام کے اس ارشاد کی صداقت میں کیا شبہ رہ جاتا ہے جو فخرالدین محمد بن عمر رازی علیہ الرحمہ کی کتاب "معالم اصول الدین" میں موجود ہے۔

مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَا غَرَبَتْ عَلٰی اَحَدٍ بَعْدَ النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ اَفْضَلَ من ابی بکرؓ۔
یعنی انبیاء و رسل علیہم السلام کے بعد جناب ابوبکرؓ سے زیادہ کسی افضل شخص پر سورج نہ طلوع ہوا نہ غروب۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ان قدسی صفات بزرگوں کے نقوشِ پا پر عمل کرتے ہوئے اصلاح احوال کی کوشش کی جائے ورنہ آج جس عمومی تباہی و بربادی سے ہم دوچار ہیں اس سے چھٹکارا ممکن ہی نہیں۔

حضرات صحابہ کرامؓ قرآن و سنت کے نقطۂ نظر سے معیارِ حق و صداقت ہیں۔ اور انسانیت کے محسن! دنیا میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت ان کے دم قدم سے ہوئی۔ انھوں نے اسلام کے نظام عدل و احسان کو عملاً جاری و نافذ کرکے اسلام کی خیر و برکت سے دنیا کو مالا مال کیا اور پھر بالخصوص خلفاء راشدین کے کی سنت و طریق پر عمل کرنے کی حضور علیہ السلام نے ہدایت فرمائی۔

خدا ذوالکریم حسنِ عمل سے نوازے۔

حضرت شیخ التفسیر مرحوم

اور

وصفِ تواضع

لال دین اخگر ایم اے بی ٹی شیخوپورہ

انسان کے خمیر میں عجز و انکساری کے جوہر خِلقی و فطری طور پر ودیعت کیے گئے ہیں۔ جب تک کسی انسان میں تواضع و خدمت گزاری کا جذبہ پیدا نہ ہو اس کے بیسیوں اوصاف بروئے عمل نہیں آتے۔ عاجزی و فروتنی حکمرانوں میں رعایا کے قلوب کی تسخیر اور حکومت کے استحکام کا باعث بنتی ہے۔ یہ وہ مبارک وصف ہے جو بندگی کو رب العزت کے دربار میں شرفِ قبولیت دلاتا ہے۔ علم کی دولت نے آدم علیہ السلام کو ملائکہ پر فضیلت عطا فرائی تو عجز و انکساری اور توبہ و انابت کی نعمت نے ابلیس اور اس کی ذریّت کے مقابلے میں ان کو تقربِ الٰہی سے نوازا۔ قرآن حکیم نے ابلیس کے غرور اور آدم علیہ السلام کی انکساری کو کئی جگہ بیان فرمایا ہے دور حاضرہ کے ممتاز ترین مفسرِ قرآن مجید مولانا شبیر احمد عثمانیؒ "خلقتنی من نارٍ و خلقتہ من طین" کی تشریح و تفسیر کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

"فی الحقیقت جس چیز پر اسے بڑا فخر تھا کہ وہ آگ سے پیدا ہوا ہے۔ وہی چیز اس کی ہلاکتِ ابدی کا باعث بنی۔ آگ کا خاصّہ خفّت و حِدّت، سرعت و طیش اور غلو و افساد ہے۔ بخلاف مٹی کے کہ اس میں مستقل مزاجی، متانت اور متواضعانہ حلم و تثبت پایا جاتا ہے ابلیس جو ناری الاصل تھا، سجدہ کا حکم سن کر آگ بگولا ہو گیا اور رائے قائم کرنے میں تیزی اور جلد بازی دکھلائی آخر تکبّر اور تعلّی کی راہ سے آتشِ حسد میں گر کر دوزخ کی آگ میں جا پڑا۔ برخلاف اس کے آدم علیہ السلام سے جب غلطی ہوئی تو عنصر خاکی نے خدا کے آگے فروتنی، خاکساری اور انقیاد و استکانت کی راہ دکھلائی۔ چنانچہ ان کی استقامت و انابت نے ثُمّ اجتباہ ربّہ فتاب علیہ وھدٰی کا نتیجہ پیدا کیا۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ ابلیس لعین نے مادی اور عنصری لحاظ سے بھی اپنی تفضیل کے دعوے میں ٹھوکر کھائی۔"

حافظ شمس الدین ابن القیمؒ نے بدائع الفوائد میں پندرہ وجوہ سے مٹی کا آگ سے افضل ہونا ثابت کیا ہے۔ علاوہ ازیں نصوصِ قرآنی اور احادیث نبویؐ سے عجز و انکساری کے دُوررس نتائج پر روشنی پڑتی ہے۔

حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے منبر پر فرمایا: "اے لوگو! متواضع ہو۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپؐ نے فرمایا۔ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کی، اللہ تعالیٰ اس کو سرفراز کرے گا۔ وہ اپنے خیال میں ذلیل ہوگا لیکن لوگوں کی نظروں میں بڑا ہوگا اور جس شخص نے تکبّر کیا اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کر دے گا وہ لوگوں کی نظروں میں ذلیل اور اپنے خیال میں بڑا ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ لوگوں کے ہاں کتّے اور خنزیر سے بھی زیادہ ذلیل ہوگا۔" (رواہ البیہقی)

حضرت عمرؓ اضلاع کے عمال کے متعلق جہاں اور باتیں دریافت کرتے تھے یہ بھی ہمیشہ پوچھا کرتے تھے کہ فلاں گورنر کا غلاموں کے ساتھ کیسا برتاؤ ہے۔ چنانچہ اگر یہ معلوم ہوتا کہ وہ غلاموں کی عیادت کو نہیں جاتا۔ تو صرف اسی جرم پر اس کو معزول و موقوف کر دیتے تھے۔ اکثر غلاموں کو بلا کر ان کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا کرتے تھے۔ اور حاضرین کو سنا سنا کر کہتے کہ خدا ان لوگوں پر لعنت کرے۔ جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے سے عار ہے۔ سرداران فوج کو لکھ کر بھیجا کہ تمہارا غلام اگر کسی قوم کو پناہ دے تو یہ پناہ تمام مسلمانوں کی طرف سے سمجھی جائے گی اور فوج کو اس کا پابند ہونا پڑے گا۔ (الفاروق۔ مصنفہ مولانا شبلی نعمانی مرحوم)

ے آں فقر کہ بے تیغے صد کشور دل گیرد
از شوکت دارا بہ، از فر فریدوں بہ

(اقبال مرحوم)

مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق" میں فرماتے ہیں:۔

سروری در دین ما خدمت گری
عدل فاروقی و فقر حیدری

المختصر! جب تک انا خیرٌ منہ کی ابلیسی رگ کسی بدنصیب کے سینے میں پھڑکتی رہے گی وہ خاکساری کے قدیم الاصل جذبات سے محروم رہے گا۔

محولا بالا اسلامی تعلیمات اور تاریخی شواہد کی روشنی میں اب ہم حضرت مولانا لاہوری علیہ الرحمۃ کی سیرت پہ نظر ڈالتے ہیں:۔

اللہ! اللہ! اس پاکباز و پاک نہاد بزرگ ترین ہستی کا تصور آتے ہی ہماری آنکھوں کے سامنے سادگی، تواضع، انکساری اور خاکساری کا ایک ملکوتی تصور آ جاتا ہے۔ سر پر کھدر کی ٹوپی اور اس کے اوپر کھدر کی دستار فضیلت جس کے صرف چار پیچ ہوتے تھے۔ کھدر کا لمبا سا کفنی نما کرتہ جس کے موٹے موٹے دھاگے نمایاں طور پر نظر آتے تھے۔ اور ٹخنوں کے اوپر کھدر کی شلوار ہمیشہ زیب تن ہوتی تھی۔ کندھوں پر یا ہاتھوں میں دو اڑھائی گز کا طیلسان۔ چمڑے کا لمبا سا بٹوہ، جس میں مسواک، تسبیح اور بعض لوگوں کی امانتیں ہوتی تھیں مسجد سے گھر یا گھر سے مسجد آتے جاتے ہر وقت اپنے پاس رکھتے تھے۔ سردیوں اور گرمیوں کا ایک ہی موٹا لباس، تصنع و تکلف سے تمام زندگی بیزاری۔ اب اس روش حیات میں منکسر المزاجی اور خدمت خلق کا جذبہ نہ ہو تو کیا ہو؟ دیہاتوں میں جب آپ کو تبلیغ کے لیے مدعو کیا جاتا۔ آپ اپنے دیہاتی معتقدین میں بطور پیر طریقت بلا تکلف جلوہ افروز ہوتے تھے۔ غریب ہو یا امیر سب کے ساتھ یکساں مشفقانہ سلوک ہوتا تھا۔ مسجد کے درویشوں کے ساتھ نہایت مروّت سے پیش آتے تھے۔ بابا قائم دین مرحوم جو کسی وقت گھسیارا تھے آپ کے دائیں طرف شانہ بشانہ نماز باجماعت پڑھتے تھے۔ مولانا محمد صابر صاحب خادم خاص جلوت و خلوت میں اپنے آقائے روحانی کی صحبت میں محظوظ ہوتے تھے۔ اللہ! اللہ! حضرت مولانا ان کے کانوں میں سرگوشیاں کرتے ہیں۔ ع

تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی

ایک دن بابا قائم دین مرحوم کو خلوت میں بلا کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ آپ نے میرے لیے دعا کرنے کا وعدہ کیا تھا دعا کی ہے یا نہیں؟

ایک دن حضرت رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اور احقر راقم الحروف بھی اس نورانی صحبت میں بیٹھا تھا۔ بابا قائم دینؒ اپنی مخصوص الماری کے پاس کھڑا تھا۔ حضرتؒ نے اشارے سے فرمایا کہ میرے لیے پانی لاؤ۔ بابا قائم دینؒ نے الماری سے سادہ سا سلور کا کٹورا نکالا اور نہایت عقیدت سے مٹکے سے بھر کر آپ کے سامنے پیش کیا۔ حضرتؒ نے مربیانہ تبسم سے داہنے ہاتھ میں پکڑ کر نوش فرمایا۔

یہ واقعہ عام نگاہوں میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ مگر اسلامی معاشرے میں اس کی نسبت اسوۂ نبویؐ سے متعلق ہے۔ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم

نے تقریباً ستر اصحابِ صفہؓ کے ایک ہی پیالہ سے دودھ پینے کے بعد حضرت ابوہریرہؓ کو فرمایا۔ کہ اب تم پیو۔ حضرت ابوہریرہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر بار بار سیر ہو کر دودھ پیا اور پھر اسی پیالے کے باقی دودھ کو سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش جان فرمایا

آج چودہ سو برس کے بعدِ زمانی کے بعد آپؐ کی امت کے صلحاء میں مساوات و تواضع کی وہی روح کار فرما ہے۔ کہ ایک درویش کے مستعمل برتن میں مسندِ ارشاد پر بیٹھ کر مریدین کے مجمع میں پانی پیا جا رہا ہے۔ اور پلانے والے کا شکریہ مشفقانہ مسکراہٹ سے ادا کیا جاتا ہے۔ بارک اللہ! یہ ذرہ نوازیاں اگر "الفقر فخری" کی ترجمانی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ (عام طور پر مشہور تو یہ الفاظ ہیں الفقر فخری۔ لیکن ماہرینِ علم الحدیث نے ظاہر کر دیا ہے کہ الفقر فخری کے الفاظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ صاحب مجمع البحار نے بھی والعجز فخری کے الفاظ کو بیان کیا ہے (بحوالہ رحمۃ للعالمین مصنفہ سلمانؒ منصور پوری)

ایک دن خطبہ جمعہ کے موقع پر حضرتؒ فرمانے لگے کہ آپ لوگ مجھ سے زیادہ خوش نصیب ہیں۔ احقر الانام راقم الحروف بھی سامعین میں شامل تھا۔ اتنے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ میں نے ابتدائے زندگی سے تمام اوقات علماء کرام کی صحبت میں گزارے۔ کتب دینیہ کو پڑھا اور پڑھایا۔ تب میں مسجد میں بیٹھا ہوں لیکن آپ لوگوں نے اگرچہ علوم دینیہ کا مطالعہ نہیں کیا۔ پھر بھی آپ مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ اور یہ محض فضلِ ایزدی ہے کہ اس نے مجھ کو منبر پر بٹھلا دیا ہے اور آپ لوگوں کو قرآن حکیم سننے کے لیے مسجد میں لے آیا ہے ورنہ آپ اور مجھ میں کوئی فرق نہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ایسی کسرِ نفسی، خاکساری اور درویشانہ زندگی نے آپ کے تمام احباب و مریدین میں مساوات کی روح کو دوبارہ زندہ کر دیا تھا۔

ہم نے بارہا دیکھا کہ ہم جیسے ناکاروں کو ہزار شفقت سے اپنے ساتھ ایک ہی برتن میں کھانا کھانے کا موقعہ مرحمت فرماتے۔ رمضان شریف میں احقر کو کم از کم دو دفعہ ضرور یاد ہے کہ افطاری کا وقت آیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خسروانہ الطاف سے پیالوں میں شربت بھرا اور اٹھا کر ہم کو دیا۔ خادمانہ عرض کیا گیا کہ حضرت! ہم خود ہی پی لیں گے۔ مگر آپ نے مربیانہ اشارہ سے منع فرما دیا۔ اور باری باری ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں آپ اپنے خادموں کے سامنے پیالے پیش کر رہے تھے۔

ان مروتوں نے خاص و عام کو آپ کا گرویدہ بنا دیا تھا۔

ہم اپنے آقائے روحانی کی مبارک زندگی کا صرف ایک واقعہ پیش کر کے عنوانِ پیشِ نظر کو ختم کرتے ہیں:۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے شکایت کی۔ کہ چھوٹی مسجد میں جمعہ کے دن مستورات آنا شروع کر دیتی ہیں لیکن پردے کا انتظام پہلے کی نسبت قدرے دیر سے ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا میں آج خود جا کر دیکھوں گا۔ آپ نے جب دیکھا تو شکایت صحیح تھی۔ آپ نے خادم مسجد بابا فضل دین کو تنبیہاً کچھ فرمایا۔ اور اپنے حجرے میں واپس چلے گئے۔ نماز عصر کے بعد بابا فضل دین کو حجرے میں بلایا۔ کچھ دیر بعد جب بابا صاحب حضرت کے حجرے سے باہر نکلے تو ایک دو دوستوں نے اس سے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے پہلے تو لیت و لعل سے کام لیا لیکن جب اصرار سے پوچھا گیا تو بتایا کہ حضرت نے مجھ سے نہایت شفقت سے معافی مانگی تھی۔ اور پھر اس نے پردے والا واقعہ بیان کیا۔

القصہ! حضرت لاہوری علیہ الرحمۃ تواضع و انکساری اور شفقت و مروت کا ایک بے بدل مجسمہ تھے۔ اور یہی وصف دونوں جہان میں آپ کی کامیابی کا

(باقی صلا پر)

مجلسِ ذکر

بگاڑ اور فساد کا ایک مؤثر سبب حرام لقمے ہیں

ترتیب
محمد سعید الرحمٰن علوی

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

اما بعد!

محترم حضرات! آج کے اخبارات میں ایک خبر پہ نظر پڑی کہ کسی باغ میں ایک نوجوان سیف اللہ نامی کو دو پولیس کے آدمیوں نے جو سفید کپڑوں میں تھے پکڑا، مارا پیٹا، کلائی کی گھڑی چھین لی اس کے بعد تھانے لے گئے وہاں اس پہ زیادتی کی اور پھر صلح یا بالفاظ دیگر خاموش رہنے کو کہا ___

اس انداز کی خبریں آئے دن کا معمول ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حرام رزق ہمارے رگ و ریشہ میں رچ چکا ہے اور ان لقموں میں یار لوگوں کو بڑی لذت حاصل ہوتی ہے جن کے حصول کے ذرائع غلط ہوتے ہیں مثلاً چوری، ڈکیتی، بد دیانتی، رشوت، خیانت، دھوکہ دہی اور سود وغیرہ۔

انسانی معاشرہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نائب، خلیفہ کی حیثیت سے پیدا کیا اور جس کا وظیفہ زندگی مقصدِ حیات صرف اپنی معرفت و عبادت اور اپنی یاد قرار دیا۔ وہ اتنی رذالت و بدبختی کا شکار ہو کر پیٹ بھرنے کے لیے حرام ذرائع اختیار کرے اس سے بڑھ کر اور کیا مصیبت ہو گی؟

جبکہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان چھوڑ مور و مگس کی روزی کا بھی خود ذمہ لے رکھا ہے اور قرآن عزیز نے اس حقیقت کا بار بار اظہار کیا مثلاً سورہ ہود میں ہے کہ:-

"کوئی نہیں چلنے والا زمین پر مگر اس کی روزی اللہ کے ذمہ لازم ہے۔"

اسی طرح سورۂ عنکبوت میں فرمایا:-

"ایسے زمین پر چلنے والے بہت ہیں جو اپنی روزی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ اللہ انہیں بھی روزی فراہم کرتا ہے۔ اور تمہیں بھی۔"

اسی طرح وہ بر خود غلط لوگ جو تنگی معیشت کے سبب اپنی اولاد کو قتل تک کر ڈالتے تھے ان کو اس جرم سے روکا اور فرمایا: کہ

"ان کی اور تمہاری روزی کے ذمہ دار ہم ہیں۔ لہٰذا اس مکروہ فعل کو چھوڑ دو اور ایسا مت کرو۔"

الغرض قرآن و سنت اس قسم کے ارشادات سے بھرے پڑے ہیں۔ پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کی شرافت و بزرگی کا تذکرہ کرتے ہوئے سورۂ بنی اسرائیل میں یہ بھی فرمایا کہ:

"ہم نے انسانوں کو پاکیزہ چیزیں بطور رزق مرحمت فرمائیں۔"

اور انہی پاکیزہ چیزوں سے پیٹ بھرنے اور حرام سے بچنے کا اللہ تعالیٰ نے بار بار حکم فرمایا مثلاً آج جو آیت کریمہ پڑھی اس کا پہلا جملہ ہی ہے کہ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ کہ باطل و ناجائز طریق سے ایک دوسرے کا مال مت کھاؤ۔

لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر برحق علیہ السلام کے اتنے کچھ ارشادات و فرامین کے باوجود مسلمان قوم کی اکثریت ان جرائم و معاصی کا بری طرح شکار

ہے اور وہ ان حرام لقموں کو نعمت غیر مترقبہ سمجھتی ہے — عیاذاً باللہ۔

آپ دیکھیں آج ہماری پوری معیشت کی گاڑی کا انحصار سود پر ہے جبکہ اللہ تعالےٰ نے اس سے سختی سے منع فرمایا۔ اور نہ رکنے کی صورت میں اپنے اور اپنے رسول کے ساتھ جنگ کا اعلان فرمایا۔

اس شدید ترین وعید کے بعد بھی پورا معاشی و اقتصادی ڈھانچہ اس شکنجہ میں کسا ہوا ہے!

پھر اس کے بعد خیانت و رشوت، دھوکہ دہی جیسی چیزیں عام ہیں۔ یہی واقعہ جو میں نے عرض کیا اس کو آپ دیکھیں اور اس کی سنگینی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بے گناہ مسلمان پر ظلم کر کے اس کا مال چھیننے والے انتظامیہ کے لوگ ہیں جن کا فرض قوم کے افراد کے جان و مال کی حفاظت ہے۔ جب حفاظت کا فریضہ سرانجام دینے والے یہ کچھ کریں تو چوروں، ڈاکوؤں، بلیک مارکیٹ کرنے والوں، سمگلروں، ذخیرہ اندوزی کرنے والوں اور اس قسم کے جرائم پیشہ لوگوں کی تو چاندی ہو گئی۔

شائد ہم لوگ نہیں سمجھتے کہ حلال و حرام کے ساتھ نیکی و بدی کا بڑا گہرا تعلق ہے۔ جب انسان حرام لقموں کا عادی ہو جاتا ہے تو اس سے توفیق نیکی سلب ہو جاتی ہے۔ پھر وہ مصائب میں گرفتار ہوتا ہے۔ اور مصائب میں گرفتار ہونے کے بعد خدا کو پکارتا ہے اور آہ و زاری کرتا ہے لیکن اللہ تعالےٰ کے آخری پیغمبر فرماتے ہیں کہ ایسے میں دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔

آپ اندازہ لگائیں کہ حرام کھانے پینے اور پہننے کا کیا نتیجہ نکلا؟ انسان جب مشکلات میں خدا کی حمایت و نصرت سے محروم ہو گیا تو اسے کون بچائے گا؟

اس لیے اس طرف بار بار توجہ دلائی جاتی ہے کہ ہمیں رزق حلال کا اہتمام کرنا چاہیے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جب کسی کو نصیحت فرماتے تو پہلی نصیحت یہی ہوتی کہ رزق حلال کا اہتمام کرو۔

گویا رضا و قربِ الٰہی اور یادِ خداوندی کے لیے رزق حلال بمنزلہ پرہیز ہے۔ پرہیز نہ ہو تو صحت حاصل نہیں ہوتی۔ اسی طرح روحانی اور دینی ترقی کے لیے اس پرہیز کی ضرورت ہے۔ جب یہ پرہیز نہیں ہوگا تو روحانی کوڑھ ہو جائے گا جس کی وجہ سے یادِ الٰہی کی توفیق سلب ہو جائے گی اور جب یادِ الٰہی کی توفیق سلب ہو گی تو بے چینی و پریشانی کا دور دورہ ہوگا جیسا کہ آج ہے

اس لیے مصائب و مشکلات سے بچنے کی غرض سے علاج اور پرہیز دونوں کی ضرورت ہے۔ علاج اصلاح باطنی ہے اور اصلاح باطن رزق حلال کے بغیر ناممکن!

اللہ تعالےٰ ہمیں رزقِ حلال نصیب فرمائے — اور حرام کھانے سے محفوظ رکھے۔

بقیہ: حضرت شیخ التفسیرؒ

ضامن تھا ؎

پکڑ کر عجز کا دامن پہنچ عرش معلےٰ تک
نگاہوں کو نظر اس بام کا زینہ نہیں آتا

آپ کے اپنے ہمعصر مشائخ کرام سے کیا تعلقات تھے؟ کسی اور موقعہ پر یہ شواہد پیش کئے جائیں گے

آپ کے جانشین حضرت قاری مولانا عبیداللہ انور مدظلہ العالی اگلے دن فرما رہے تھے کہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن مرحوم نے ایک دفعہ ابا جان مرحوم سے اپنی طبیعت اور ان کی طبیعت کا موازنہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ مولانا! آپ جہاں بھی جاتے ہیں اپنی متواضعانہ روشِ حیات سے کچھ پا کر آتے ہیں اور میں جہاں بھی جاتا ہوں کچھ کھو کر آتا ہوں۔

انجام کار ہم بارگاہِ ایزدی میں دعا کرتے ہیں۔ کہ وہ اپنے فضل و کرم سے مسلمانوں میں مشائخ کرام کی صحبت میں حاضر ہونے کا سچا جذبہ پیدا فرمائے۔ کیونکہ اولیاء امت کے حلقوں میں ہی تزکیۂ قلب و نظر کی نعمت ملتی ہے ؎

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہے تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

(اقبال مرحوم)

از مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی ندوی

کلام خیر الانام

محبت و عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم

حامدًا و مصلیًا اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضًا من بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم (ترمذی)

ترجمہ: میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرو، فرمایا، میرے بعد انہیں نشانہ ملامت نہ بنانا، جو ان سے محبت رکھتا ہے وہ مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے ان سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ درحقیقت مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے۔

ماحصل اس حدیث میں صحابہ کرام کے بارے میں بقیہ امت کو دو حکم دیئے گئے ہیں۔

۱۔ ان پر اعتراض، ملامت و تنقید سے احتراز و پرہیز کیا جائے یعنی اگر ان مقدس ہستیوں میں سے کسی کی کوئی غلطی بھی محسوس ہو تو اول تو اس کی کوئی اچھی تاویل و توجیہ کرکے اسے کسی اچھے محمل پر محمول کر لیا جائے اور جہاں یہ بھی ممکن نہ ہو تو اسے اتفاقی غلطی سمجھ کر اس کے تذکرے سے احتراز کیا جائے اور ان کے ساتھ عقیدت اور دل میں ان کی عظمت بدستور باقی رکھی جائے۔

۲۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کا تعلق رکھا جائے۔

صحابی کی تعریف صحابی اس مسلمان کو کہتے ہیں جس نے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہو، خواہ حاضر خدمت ہونے کی یہ نعمت عظمیٰ اسے ایک سیکنڈ ہی کیلئے حاصل ہوئی ہو، اگر کسی شخص نے اپنی حالت کفر میں آنحضور کی زیارت کی ہے اور بعد کو مسلمان ہو گیا مگر ایمان لانے کے بعد آنحضور کی خدمت اقدس میں حاضری نصیب نہیں ہوئی تو وہ صحابی نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان کے بغیر فیضان نبوت سے استفادہ کی صلاحیت پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔

اس نے اگرچہ ظاہری آنکھوں سے سرور کونین کی زیارت کی مگر اس کی آنکھیں بند رہیں جن کا نور ایمان ہے اس نے بقول کسے محمد بن عبد اللہ کو دیکھا مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا اور جب چشم دل وا ہوئی تو آفتاب ہدایت کی زیارت سے محرومی رہی اس لئے رتبہ صحابیت اسے کیسے حاصل ہو سکتا ہے جس کا حصول قلب نبوی سے براہ راست استفادے کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم رتبہ صحابیت مراتب ولایت میں سب سے بلند و برتر مرتبہ ہے اس کے اوپر صرف درجہ نبوت ہے ہر نبی کے صحابہ کا مرتبہ اس کی امت کے سب اولیاء اللہ سے بلند و برتر ہوتا ہے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خاتم النبیین اور افضل الانبیاء ہیں اس لئے آپ کے صحابہ خاتم الصحابہ اور انبیاء کے بعد اول و آخر سب اولیاء اللہ سے افضل و برتر ہیں اور قیامت تک کوئی ولی اللہ بھی خواہ اس کا مرتبہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو اور خواہ وہ ہزاروں برس عبادت و اطاعت میں کیوں نہ بسر کرے، کسی ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کے صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ رتبہ صحابیت اکتسابی نہیں بلکہ وہبی ہے صحابہ کرام کی فضیلت اللہ تعالیٰ کا فضل اور عطیہ ہے جو اپنی قوت اور کوشش سے نہیں حاصل ہو سکتا جس طرح نبوت کا درجہ وہبی ہے اللہ تعالیٰ نے جن ہستیوں کو اس مرتبہ عظیمہ پر اپنے فضل و کرم سے سرفراز فرمایا۔ صرف انہیں کے تاج نبوت زیب سر کیا کوئی شخص اپنی کوشش اور محنت اور کثرت عبادت سے اس کا رخ بلند تک نہیں پہنچ سکا، اسی طرح کوئی ولی ہزار تگ و دو کرے کسی صحابی کے گرد پا کو بھی نہیں پا سکتا مثلاً حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہم اللہ بہت بڑے درجہ کے اولیاء اللہ ہیں لیکن کسی کم سے کم درجہ کے صحابی کی خاک پا کی بھی برابری نہیں کر سکتے، دوسرے اولیاء اللہ کو بھی انہیں پر قیاس کر

لینا چاہیئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے وہ جس کو چاہتے ہیں اس کو نوازتے ہیں، اس میں اپنے اختیار و اکتساب کو کوئی دخل نہیں ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا ایک قانون "جزاء و انعام" ہے، ایسے ہی ایک قانون اجتبا و انتخاب بھی ہے، ارشاد حق جل شانہ ہے۔

اللہ یجتبی الیہ من یشاء ویھدی الیہ من ینیب۔

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں منتخب فرماتے ہیں اور جو شخص ان کی طرف رجوع ہوتا ہے اسے ہدایت عطا فرماتے ہیں۔

رتبہ صحابیت اسی قانون الٰہی کا ظہور ہے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے جس طرح ختم نبوت کے تاج بے بہا کے لئے ... سید المرسلین امام النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس کو منتخب فرمالیا، اسی طرح آنحضور کی خدمت و شاگردی کے لئے صحابہ کرام کے نفوس قدسیہ کو منتخب فرمایا اور انہیں میں اس کی صلاحیت و استعداد پیدا کی کہ آفتاب رسالت سے براہ راست بلا واسطہ اکتساب انوار کر سکیں۔

ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں اور اللہ میاں بڑے فضل والے ہیں۔

این سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اس سلسلہ میں امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس اللہ اسرارہم کا ارشاد گرامی بھی سن لیجئے۔

ترجمہ:۔ ایک مقام ولایت جذبہ کے ساتھ مخصوص ہے اور ایک سلوک کے ساتھ، اور ایک مقام، دونو (جذبہ سلوک) سے مرکب ہے، مگر ایک مقام ایسا ہے ۔۔ جو دونوں سے علیحدہ ہے نہ جذبہ کو اس سے کوئی مرابطہ نہ سلوک کو اس سے کوئی تعلق ہے یہ عجیب مقام ہے صحابہ کرام رض اس مقام عالی پر ممتاز اور اس دولت عظمیٰ سے مشرف ہیں، اس مقام پر پہنچنے والے کو دوسرے مقامات، رکھنے والے اولیاء سے پورا پورا امتیاز حاصل ہوتا ہے۔

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

ترجمہ:۔ لہٰذا حضرت وحشی رض جو ایک بار خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھے تھے حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سے (جو خیر التابعین ہیں) افضل ہیں۔ (مکتوب پنجاہ و ہشتم دفتر اول حصہ دوم)

موجبات محبت

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام سے محبت رکھنے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟ اور ہم ان سے محبت کیوں کریں؟ یہ بات تو صاف ہے کہ جب حب صحابہ اور تعظیم صحابہ کا حکم فرمایا گیا ہے تو اس کے مخاطب مخصوص طور پر وہی ہیں جو صحابیت کے شرف سے مشرف نہیں ہیں جو شخص ذرا بھی زبان کا ذوق رکھتا ہے وہ اس بات کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے، یہ بھی واقعہ ہے کہ صحابہ کرام بھی آنحضورؐ کے امتی ہیں اور آنحضورؐ کے ساتھ پوری امت کو ایک روحانی تعلق حاصل ہے۔

پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ امت کے ایک بڑے حصہ کو اتنی تاکید کے ساتھ ایک چھوٹے سے گروہ کی محبت و تعظیم کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ امت کے اس بڑے گروہ میں بھی اکابر اولیاء اللہ گزرے ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے، جن کی مجموعی تعداد صحابہ کرام کی مجموعی تعداد سے کئی گنی ہوگی۔ اس سوال کے جواب میں ان امور کا تذکرہ کرتا ہوں جو صحابہ کرام کی محبت و تعظیم کے خاص موجبات ہیں

حب الٰہی کا تقاضا

اوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام حق تعالیٰ کے سب سے زیادہ مقرب و محبوب بندے ہیں اس لئے حب الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ بندۂ مومن کے نزدیک بھی انبیاء کے بعد یہی حضرات سب سے زیادہ محبوب و معظم ہوں، ہمیں حب فی اللہ کا حکم دیا گیا ہے اور ..... اس کے سب سے زیادہ مستحق صحابہ کرام ہی ہیں۔

حب نبی کا تقاضا

دوسرا سبب وہی ہے جو خود مندرجہ بالا احادیث نبوی صلے اللہ علیہ وسلم میں بیان فرمایا گیا ہے یعنی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کے صحابہ کرام سے محبت کی جائے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے "کی جائے" کا لفظ کچھ ناموزوں سا ہے جس شخص کا قلب محبت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نور سے منور ہو گا وہ فطری طور پر صحابہ کرام سے محبت کرنے پر مجبور ہوگا، اس کے لئے کسی تکلف کی ضرورت نہ ہوگی ہر سلیم الفطرت سمجھ سکتا ہے کہ محبوب کے محب و محبوب اور اس کے خدام و معاونین کے ساتھ محبت فطرت انسانی کا تقاضا ہے اگر فطرت مسخ نہیں ہوئی ہے تو اس کے لئے کسی کوشش کی کوئی حاجت نہ ہوگی، سرزمین عرب ہمیں محبوب ہے کیوں؟ صرف اس لئے کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد و منشاء ہے خاک مدینہ ہمارے لئے مشک و عنبر سے زیادہ عطر بیز اور روح پرور ہے کیوں؟ محض اس وجہ سے کہ مدینہ ہمارے محبوب و محترم آقا کا وطن ہے، عرب و مدینہ کی یہ محبت و عظمت اگر فطری ہے اور یقیناً فطری ہے تو ان نفوس قدسیہ کی محبت و عظمت کیوں فطری نہیں ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائی اور اولین شاگرد تھے جنہوں نے سب سے پہلے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم اور انکے لائے ہوئے دین کی حمایت و نصرت کی

دلیل نبوت

صحابہ کرام خواہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان و حضرت علی ہوں (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) یا اور کوئی، کسی میں بھی فی نفسہ کوئی کمال نہ تھا، جسے جو کمال حاصل ہوا وہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور آنحضور کے فیضان کا نتیجہ تھا، اس لئے ہر صحابی اپنی جگہ نبوت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مستقل دلیل، اور آنحضور کے کمالات کا آئینہ ہے جس میں جمال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ ہو سکتا ہے کسی صحابی کے کمالات کا انکار یا ان پر تنقید و جرح کرنا آفتاب پر خاک ڈالنے کی کوشش کے ساتھ ایک دلیل نبوت کو مجروح کرنے کی سعی لاحاصل کے مترادف بھی ہے، آئینہ جمال نبوی بننے کا شرف صحابہ کرام کی وہ امتیازی خصوصیت ہے جس نے انہیں پوری امت سے افضل و برتر بنا دیا ہے، یہاں تک کہ خود ان سے تعلیم و تربیت حاصل کرنے والے تابعین بھی ان کی برابری نہیں کر سکتے، چنانچہ حضرت زین العابدین، حضرت اویس قرنی، حضرت عمر بن عبدالعزیز و امثالہم بڑے درجے کے تابعین اور اللہ کے اکابر اولیاء ہیں لیکن باوجود اپنے اعلیٰ ظاہری و باطنی کمالات کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کے صحابی کی برابری بھی نہیں کر سکتے بلکہ ان سب کا رتبہ کم سے کم درجے کے صحابہ سے بھی بمراتب فروتر اور پست تر ہے۔

احسانات صحابہؓ

محبت و عظمت کا ایک بڑا محرک احسان بھی ہے، اپنے محسن کی محبت و تعظیم بالکل طبعی چیز ہے جس کی تائید عقل و دانش بھی کرتی ہے صحابہ کرام ہمارے بہت بڑے محسن ہیں، یہی حضرات علوم و معارف نبویہ کے سب سے پہلے امین ہیں جنہوں نے اس نعمت عظیمہ کو ہم تک پہنچایا، اگر قلب ان کی محبت و عظمت سے خالی ہو تو، یہ فطرت کے مسخ ہونے کی دلیل اور احسان فراموشی کی بہت ہی گھناؤنی اور قابل نفرت مثال ہوگی۔

استقامت کا واحد طریقہ

دین حق اور جادۂ اسلام پر مرتے دم تک قائم رہنا، نجات و فلاح کا واحد طریقہ ہے، جس شخص کا قلب صحابہ کرام کی محبت و عظمت سے معمور ہوگا اور جو دین کی تشریح ان کے علم و عمل کی روشنی میں کرے گا وہ کبھی گمراہ نہیں ہو سکتا، اس کے برعکس صحابہ کرام پر بے اعتمادی اور ان کی محبت و عظمت کی دولت سے تہی دستی، خود ضلال ہونے کے ساتھ مزید اور بدتر ضلال کا پیش خیمہ ہے، یہی راز ہے اس واقعہ میں کہ جتنے فرق باطلہ مسلمانوں میں پیدا ہو چکے ہیں ان میں صحابہ کرام پر بے اعتمادی کا عنصر مشترک طور پر پایا جاتا ہے سچ یہ ہے کہ ان نفوس قدسیہ کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کے بعد نہ اللہ کی کتاب کا دامن ہاتھ میں رہتا ہے اور نہ سنت نبویہ کا بلکہ پورا دین ہاتھ سے نکل جاتا ہے ؎

غم گیا رونق حیات گئی　　دل گیا ساری کائنات گئی

نمونہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے نمونہ بنا کر بھیجا تھا، چنانچہ ارشاد حق ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الاخر وذکر اللہ کثیرا۔

بیشک جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن کا امیدوار ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد کثرت سے کرتا ہے اس کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بہت اچھا نمونہ ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع کو ہی قرب و رضائے الٰہی کا واحد سبب بنا دیا گیا، اس کے علاوہ کوئی ذریعہ قیامت تک فلاح و کامیابی کا نہیں ہو سکتا۔ لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کس طرح کریں؟ اور سید الاولین و الآخرین کی اتباع کا سلیقہ کہاں سے لائیں؟ اس کے لئے صحابہ کرام کو نمونہ بنایا گیا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان بھی وہی معتبر ہے جو کم از کم نفس عقیدہ ہونے کی حیثیت سے ایمان صحابہ کرامؓ کے مثل ہو، صحابہ کرام کو خطاب فرما کر ارشاد باری ہے۔

فان اٰمنوا بمثل ما اٰمنتم بہ فقد اھتدوا وان تولوا فانما ھم فی شقاق فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم (بقرہ)

اگر یہ لوگ یہود وغیرہ تمہارے ایمان کی طرح کا ایمان لے آئیں تو ہدایت یافتہ ہو جائیں گے اور اگر یہ پیٹھ پھیریں تو یہ لوگ تمہاری مخالفت میں تو مشغول ہی ہیں، البتہ اللہ تعالیٰ انہیں عنقریب کفایت فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ سننے والے اور جاننے والے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب ایمان بھی وہی معتبر ہے جو ایمان صحابہ کے مماثل اور مشابہ ہو تو اعمال و اخلاق کی مقبولیت تو بدرجہ اولیٰ اس پر موقوف ہوگی۔

یہ بات ملحوظ رکھیے کہ مماثلت سے یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ ہمارا ایمان و عمل صحابہ کرام کے ایمان و عمل کے ساتھ نسبت مساوات رکھتا ہو، ظاہر ہے کہ "چہ نسبت خاک را با عالم پاک را"

ہر شخص ان کیفیات تک کیسے رسائی حاصل کر سکتا ہے؟ بلکہ مقصد یہ ہے کہ اسی جنس میں داخل ہوں خواہ درجہ میں زمین آسمان کا فرق ہو، مثلاً ہمارے عقائد وہی ہوں جو صحابہ کرام کے تھے اگرچہ کیفیت ایمانیہ میں تفاوت ہو، یا مثلاً ہم نماز اسی طرز پر پڑھیں جس طرز پر صحابہ کرام پڑھتے تھے، یعنی اس میں رکوع سجود قیام و قعود و قرأت وغیرہ اسی طرز پر کریں، اسی طرح نیت کی

تصحیح کریں، اگرچہ ان سب کی کیفیات کے درجات ہمارے ان کے درمیان مختلف ہوں۔

مندرجہ بالا حدیث شریف، صحابہ کرام کی محبت و تعظیم کا حکم دے رہی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان نفوس قدسیہ کے ساتھ ربط قائم کرنا ہر مومن پر واجب اور تحفظ دین کا ذریعہ ہے، یہی سبب ہے کہ اس حدیث کے علاوہ متعدد احادیث میں صحابہ کرام کی مدح و ستائش اور ان سے ارتباط و تعلق رکھنے کی ہدایت ملتی ہے قرآن مجید دیکھئے کہ اس میں اس کثرت کے ساتھ صحابہ کرام کی مدح و ستائش، ان کے اوصاف و کمالات عالیہ اور بارگاہ الٰہی میں ان کے بلند و برتر درجات کا بیان اس کے ساتھ ان کی اتباع و پیروی کی ہدایت ملے گی کہ — محض قرآن مجید سامنے رکھ کر صحابہ کرام کی ایک مفصل سیرت تیار کی جا سکتی ہے۔

اس دور کا ایک فتنہ یہ بھی ہے کہ عام طور پر صحابہ کرام کے حالات جاننے اور ان کی مقدس زندگی کو نمونہ بنانے کا رجحان بہت کم ہے۔ خانقاہوں، مدرسوں اور دینی مجلسوں میں آپ مشائخ کے تذکرے تو بہت سنیں گے مگر صحابہ کرام کا تذکرہ شاذ و نادر ہی سننے میں آئے گا حالانکہ ان حضرات کا تذکرہ سب سے زیادہ مفید اور ضروری ہے۔

خدا اور خدا شناسی

حضرت ابوبکر رضؓ نے فرمایا:

"میں پاکیزگی بیان کرتا ہوں اس ذات کی، جس نے اپنی مخلوق کے لیے کوئی راستہ اپنی معرفت کا نہیں رکھا، سوا اس کے کہ لوگ اس کی معرفت سے عاجز ہو جائیں۔"

"جو شخص اللہ تعالےٰ کی محبت کا مزہ چکھ لیتا ہے۔ پھر اُسے دنیا حاصل کرنے کی مہلت نہیں ملتی اور اسے انسانوں سے گھبراہٹ اور وحشت ہوتی ہے۔"

"میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔"

●

بزرگوں اور احباب کی خدمت میں!

احقر نے مخدومنا المکرم حضرت اقدس مولانا عبید اللہ انور زید مجدھم کے حکم و ارشاد سے لاہور میں مستقل قیام کر لیا ہے اور حضرت شیخ التفسیر رحمہ اللہ کی عظیم یادگار ہفت روزہ خدام الدین کی خدمت اپنے ذمہ لے لی ہے۔

قائد محترم حضرت مفتی محمود صاحب مدظلہم کا حکم و ارشاد بھی ایسا ہی تھا اس لیے میرے لیے انکار مشکل تھا۔ بنابریں بزرگوں اور احباب سے درخواست ہے کہ وہ اپنی مخصوص دعاؤں میں احقر کو یاد رکھیں تاکہ اس عظیم دینی خدمت کو کما حقہ سرانجام دے سکوں۔

خط و کتابت کا پتہ یہ ہے:

محمد سعید الرحمٰن علوی

دفتر انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور — فون ۵۴۵، ۶

آیت کریمہ

جمعرات ۲ رجب المرجب، ۱۰ جولائی بعد نماز مغرب مجلس ذکر سے متصل آیت کریمہ پڑھی جائے گی۔

جدید داخلہ!

مدرسہ عربیہ تعلیم الدین رجسٹرڈ بھیرہ میں حسب دستور سابق نیا داخلہ ۱۰ شوال المکرم سے شروع ہوگا۔ انشاء اللہ۔ داخلہ لینے والے طلبہ رمضان کے اندر خط کے ذریعہ معلومات حاصل کریں۔ مشکوٰۃ شریف تک کے علاوہ حفظ اور ناظرہ کے طلبہ کا داخلہ بھی ہوگا مدرسہ میں طلبہ کے جملہ جائز مصارف محض اللہ کے فضل و کرم سے پورے ہوتے ہیں کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے دین کے ہمدرد اور مخیر حضرات سے التماس ہے کہ خصوصی دعا بھی فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی محض اپنے فضل و کرم سے غیب سے انتظام فرماتا رہے

ذالک علی اللہ بعزیز — الاحقر حافظ عبد الرشید

مہتمم مدرسہ عربیہ تعلیم الدین بھیرہ رجسٹرڈ بھیرہ ضلع سرگودھا پاکستان

تحریر :- زہرہ جبیں مصطفوی

کیا عورتوں کے لیے ملازمت ضروری ہے؟

مرد و عورت گاڑی کے دو پہیے ہیں اگر ان میں سے ایک پہیے میں کوئی نقص واقع ہو جائے یا اپنا کام کرنا بند کر دے تو زندگی کی گاڑی آگے نہیں بڑھ سکے گی — یہ مثال بے حد پرانی ہے اور تقریباً روزانہ ہی دہرائی جاتی ہے، ہمارے اسلاف نے جو باتیں کہیں اور مثالیں دیں وہ صدیوں کے تجربات کا نچوڑ تھیں۔

اگر دیکھا اور پرکھا جائے تو صحیح ثابت ہوں گی۔ قدرت نے مرد و عورت کو دو الگ الگ صنفوں میں ڈھالا اور ہر دو فریق کے کاموں کا تعین کر دیا اور ان کے دائرہ کار مقرر کر دیئے — مرد کو بیرونِ خانہ کی ذمہ داریاں تفویض ہوئیں اور طبقۂ نسواں کے ذمے اندرونِ خانہ کے تمام فرائض سونپے گئے۔

صنفِ قومی کی ذمہ داریاں

مردوں کے سپرد تمام بیرونِ خانہ کے مسائل سونپے گئے — ان میں ملک و ملت کی فلاح و بہبود، وقت پڑنے پر ملک و قوم کے دشمنوں سے جنگ حکومت کے فرائض، کمانے اور خاندان کی کما حقہٗ پرورش و پرداخت اور عیال داری کے جملہ لوازمات ہیں۔

طبقۂ اناث کے فرائض

ان کے فرائض میں تمام اندرونِ خانہ کے کام : خانہ داری، بچوں کی پرورش و نگہداشت، تعلیم و تربیت اور گھر کو سنوارنا بنانا ہیں — اور خواتین فطری طور پر گھریلو ذمہ داریوں اور امورِ خانہ داری ہی کے لئے موزوں بھی ہیں۔ لیکن اگر دونوں میں سے ایک فریق بھی اپنے مقرر شدہ دائرۂ کار سے نکل کر خواہ مخواہ دوسرے فریق کے کاموں میں دخل دیگا تو یقیناً چلتی گاڑی میں رکاوٹ پیدا ہوگی — قدرت کی طرف سے طبقۂ اناث کو گھریلو فرائض سونپے گئے ہیں، لیکن آج گھریلو فرائض کے ساتھ ساتھ کمانے اور کنبہ کی ضروریات کی کفالت کا بارِ گراں بھی خواتین کے سر آپڑا ہے جس کے لئے وہ موزوں نہیں تھیں۔

مرد کے ذمہ کسب کرنے اور خاندان کے کفیل ہونے کی جو ذمہ داری قدرت کی طرف سے تفویض ہوئی تھی، وہ اس نے اپنے سر سے جھٹک کر خواتین کے سر ڈال دی ہے اور یہ سب محض یورپ کی اندھا دھند تقلید میں ہوا ہے — ایک شخص ایک وقت میں محض ایک کام سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے، لیکن اگر اسے ایک وقت میں دو کام سونپ دیئے جائیں تو وہ دونوں میں سے کوئی کام تسلی بخش طور پر نہ کر سکیگا۔

کیونکہ پہلی صورت میں اس کا تمام دھیان صرف ایک کام پر مرکوز رہے گا، بر عکس دوسری صورت میں اس کی توجہ ہر دو کاموں کی طرف بٹی رہے گی اور وہ دلجمعی کے ساتھ دونوں کام نہ کر سکے گا — اسی مثال سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ طبقۂ اناث پر اندرونِ خانہ کے علاوہ بیرونِ خانہ کے فرائض ڈال دیئے جائیں تو وہ گھر اور باہر دونوں جگہ کے کاموں کو بحسن و خوبی کیونکر انجام دے سکے گی؟

اگر ایک خاتون صبح کسبِ معاش کے لئے گھر سے نکلتی ہے اور شام کو گھر واپس آتی ہے تو اس صورت میں اسے اندرونِ خانہ کے فرائض کی بجا آوری کا موقع کس وقت مل سکتا ہے؟ صبح سے جا کر تمام دن کام میں سر کھپا کر جب شام کو ایک عورت واپس گھر آئے گی تو تھکے ہوئے اعضاء اور دماغ کے لئے سکون اور مکمل آرام کی ضرورت ہوگی — بے چاری نہ گھر کی طرف توجہ دے سکے گی نہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے وقت نکال سکے گی — نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کا گھریلو نظام درہم برہم ہو جائے گا، بچے ماں کی شفقت اور ماں کی نگرانی میں تعلیم و تربیت سے محروم ہو جائیں گے — نوکر بھلا ایک خانہ دار خاتون کی برابری کیسے کر سکتے ہیں؟

خواتین کی ملازمت کے دیگر نقصانات

یہ تو ظاہر ہے کہ ملازمت کر لینے کے بعد کوئی خاتون اولاد کی تعلیم و تربیت، گھریلو حالات کی طرف توجہ مبذول

نہ کر سکے گی — جس کے نتیجے میں گھریلو نظام اور زندگی بالکل تباہ ہو کر رہ جائے گی۔ عبرت کے لئے یورپ کے نتائج سامنے ہیں — جب گھر میں انتشار ہو گا تو مرد لازمی طور پر گھر سے باہر سکون ڈھونڈے گا اور رفتہ رفتہ اسے گھر سے دلچسپی نہ رہے گی — تیسرے یہ کہ بچے والدین کی شفقت و محبت سے محروم رہ جائیں گے، مناسب تربیت اور نگرانی کے فقدان کے باعث بچے غلط راہ اختیار کریں گے — یہ غلط مفروضہ نہیں بلکہ آجکل بچے والدین کی عدم توجہ، مناسب نگرانی اور والدین کے زیر سایہ تعلیم و تربیت نہ ہونے کی بنا پر زیادہ تر غلط راستہ دیکھ رہے ہیں — چوتھی قباحت یہ ہو گی کہ طبقۂ نسواں گھر سے نکل کر دفتر کی راہ لے گا تو پھر مردوں کی حصولِ ملازمت میں جگہ جگہ دشواریاں اور رکاوٹیں حائل ہوں گی — اور تجربات بھی اس بات کے شاہد ہیں سب سے بڑی قباحت تو یہ ہو گی کہ خواتین گھر سے نکل کر حصولِ معاش کے لیے باہر آئیں گی تو پردہ برقرار نہ رہے گا — مرد و عورت کے آزادانہ میل جول سے معاشرہ میں جو برائیاں اور قباحتیں جڑ پکڑ رہی ہیں اور معصیت کے جو گھناؤنے پہلو نگاہ کے سامنے آ رہے ہیں وہ کسی ذی ہوش سے چھپے ہوئے نہیں — جہاں اخلاق و کردار اور شرم و حیا کا قتل ہوتا ہے، وہاں مرد و عورت کے باہمی میل جول سے طبقۂ اناث اپنے نسوانی خصائص سے بہت حد تک محروم ہو جاتا ہے میری نظروں سے وہ لڑکیاں گزری ہیں جنہوں نے مخلوط تعلیم پائی تھی — ان کی عادتیں بہت حد تک مردانہ تھیں، ان کی چال ڈھال اور گفتگو میں مردانہ پن غالب تھا، سگریٹ نوشی اور دوسری قبیح عادات بھی خواتین میں اسی وجہ سے جڑ پکڑتی ہیں۔ مخلوط تعلیم و صحبت کی بنا پر مرد اپنے جوہر کھو دیتے ہیں، اور بزدل ہو جاتے ہیں — ان میں بھی بہت سی نسوانی عادات آ جاتی ہیں۔

یہ ایک روشن حقیقت ہے اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں، خواتین کو چاہیئے کہ جو دائرہ کار قدرت نے ان کے لئے مقرر کر دیا ہے وہ اسی میں رہیں — مرد ذمہ داری کے بوجھ سے فرار اختیار نہ کریں اور اپنے فرائض کو خواتین اپنی ڈگر پر ہوں گی، مرد اپنی راہ پر — کسی کو کسی سے کوئی سروکار نہ ہو گا، ہر دو طبقہ اپنی غرض اور مفاد کو پیش نظر رکھے گا — ذرا ذرا سی بات پر ازدواجی زندگی کا خاتمہ طلاق پر ہوا کرے گا — زندگی کی گاڑی اس وقت تک ٹھیک چلے گی جب دونوں پہیے اپنی اپنی جگہ پر رہ کر اپنے فرائض انجام دیں گے۔

نظام شریعت کنونشن

کی

مجلسِ استقبالیہ

جمعیۃ علماء اسلام کی مرکزی مجلس شوریٰ کے فیصلہ کے مطابق ۱۸-۱۹ اکتوبر کو گوجرانوالہ میں منعقد ہونے والے کل پاکستان نظام شریعت کنونشن کی مجلس استقبالیہ کے قیام کے لیے ۳۰ر جون کو بعد نماز عشاء مکی مسجد بخاری روڈ گوجرانوالہ میں جمعیۃ کی ضلعی جنرل کونسل کا اجلاس زیر صدارت مولانا حکیم نذیر احمد صاحب نائب امیر ضلع منعقد ہوا مجلس استقبالیہ کے صدر اور جمعیۃ کے صوبائی امیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی بھی اجلاس میں شریک ہوئے۔ اور آپ کے علاوہ حضرت مولانا مفتی عبدالواحد مدظلہ، مولانا زاہد الراشدی، مولانا سعید الرحمٰن علوی، مولانا عبدالرؤف فاروقی اور حافظ گلزار احمد آزاد نے اجلاس سے خطاب کیا۔ اجلاس میں کنونشن کی مجلس استقبالیہ کے لیے مندرجہ ذیل عہدیداروں کا انتخاب عمل میں لایا گیا:-

صدر: حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ — لاہور
نائب صدر: (۱) مولانا محمد شاہ امروٹی — سکھر
(۲) مولانا ایوب جان بنوری — پشاور
۳- مولانا محمد خان شیرانی — فورٹ سنڈیمن
ناظم اعلیٰ: مولانا مفتی عبدالواحد — گوجرانوالہ
ناظم: علامہ محمد احمد لدھیانوی — //
ناظم نشر و اشاعت: مولانا زاہد الراشدی — //
خازن: شیخ عبدالمجید — //
سالار: خان محمد قاسم خان — //

مولانا عبید اللہ انور نے ملک بھر میں کارکنوں پر زور دیا ہے کہ وہ کنونشن کو شاندار طریقے سے کامیاب بنانے کے لیے ابھی سے بھرپور تیاریاں شروع کر دیں۔

قسط نمبر ۴

علماء اور حکومت

مولانا سعید احمد اکبرابادی ایم اے

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو نامور عالم اسماعیل بن علیّہ کے متعلق معلوم ہوا کہ انہوں نے تحصیلداری کا عہدہ قبول کر لیا ہے تو حسب ذیل اشعار لکھ بھیجے ؎

یا علی العلم لہٗ بازاً
یصطاد اموال المساکین
حلت للدنیا ولذاتہا
بحیلۃ تذھب بالدین
فصرت مجنونا بہا بعد ما
کنت دواءً للمجانین
این روایاتک فیما مضیٰ
عن ابن عونؒ و ابن سیرینؒ
ودرسک العلم وآثارہ
وترکک ابواب السلاطین
تقول: اکرھت فماذا کذا
زال حمار العلم فی الطین

(ترجمہ) اے علم کو ایسا باز بنانے والے جو غریبوں کے مال کا شکار کرے، تو نے دنیا اور اس کی لذتوں کے لئے ایسا حیلہ تراشا ہے جو دین کو لے ڈوبے گا تو دنیا کی محبت میں پاگل بن گیا، حالانکہ تو خود دیوانوں کے لئے دوا کا حکم رکھتا تھا۔ گزشتہ زمانہ میں تو ابن عون اور ابن سیرینؒ سے جو روایات بیان کرتا تھا اب وہ کہاں ہیں؟ اور وہ درسِ علم اور بادشاہوں کے دروازہ کو ترک کر دینا کہاں ہے؟ تو کہتا ہے کہ میں (شاہی نوکری قبول کرنے پر) مجبور کر دیا گیا تھا مگر نہیں، ایسا نہیں ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ علم کا گدھا کیچڑ میں پھسل گیا۔

پھر صرف اکابر علما اور مشائخ کا ذکر نہیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد بعض اجلۂ صحابہ نے اسی دورِ فتن کے پیشِ نظر اہل علم کے لئے حکومت سے تقرّب کو خطرناک قرار دیا تھا۔ حضرت امّ سلمہؓ سے روایت ہے — ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم پر بادشاہوں کی حکومت ہوگی وہ اچھے بُرے کام کریں گے۔ ان کی برائیوں پر جو اعتراض کرے گا خدا کے سامنے وہ بری الذمہ ہوگا، اور جو خاموشی اختیار کرے گا مگر دل میں انہیں بُرا سمجھے گا وہ بھی (عذاب الٰہی) سے بچ جائیگا لیکن جو ان کاموں پر راضی ہوگا اور بادشاہوں کے پیچھے لگ گیا تو خدا اسے ہلاک کر دے"۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا۔ شاہی ڈیوڑھی پر فتنے اسی طرح جمے بیٹھے رہتے ہیں جس طرح اونٹ اپنے تھانوں پر جم کے بیٹھے رہتے ہیں — قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم ان کی دنیا میں سے جتنا پاؤگے اس سے زیادہ وہ تمہارے دین میں سے لے لیں گے۔

بات اگرچہ طویل ہوگئی لیکن دراصل دکھانا یہ تھا کہ اگر علمانے اجتناب کی پالیسی اختیار کی تو اس کی بنیاد احساس کمتری پر نہیں تھی، جیسا کہ آپ فرماتے ہیں بلکہ مسلمانوں اور خود سلطنت کی خیر خواہی کے جذبہ سے تھی اور فرمانِ نبویؐ، ارشاداتِ صحابہؓ اور علمائے متقدّمین کے اقوال و آرا پر مبنی تھی۔

یہاں تک علما کے صرف ایک طبقہ کا ذکر ہوا ہے، دوسرا جو نسبتاً اقلیت میں تھا، اس کی رائے یہ تھی کہ بادشاہ خواہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں بہرحال ان سے ربط و ضبط رکھنا چاہیئے تاکہ ان کو ان کی غلطیوں اور برائیوں پر ٹوکا جائے ورنہ ان سے دور رہنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ شتر بے مہار کی طرح آزاد ہو جائیں گے۔ اور روک ٹوک کے بغیر جو جی میں آئے گا کرتے رہیں گے، چنانچہ عروہ بن زبیرؒ امام زہریؒ اور ان کے طبقہ کے لوگ، اسی طرح حضرت ابی ذویبؒ رجاء بن حیوۃؒ، حسن بصریؒ۔ ابو الزنادؒ۔ امام مالکؒ۔ امام اوزاعیؒ — اور امام شافعیؒ — یہ سب اسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ حضرات دربار

سلطانی سے تعلق رکھتے تھے مگر ان کی غرض کیا تھی؟ اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ ایک مرتبہ کسی نے امام مالکؒ سے کہا کہ آپ ان حکام کے پاس جاتے ہیں حالانکہ یہ لوگ ظالم اور متکبر ہیں"۔ جواب میں فرمایا "ہاں تم پر خدا کی رحمت، اگر میں بھی ان کے پاس نہ جاؤں تو کلمۂ حق کا اعلان کون کرے گا؟ لیکن حکام اور اہل حکومت کے ساتھ یہ ربط و ضبط اور تعلق رکھنے کے باوجود یہ علما اپنی خودداری اور عالمانہ وقار و شان استغناء کو کس طرح قائم رکھتے تھے؟ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے حج کے بعد مدینہ میں حاضری دی تو امام مالکؒ کی خدمت میں پانچ سو دینار کا ایک توڑا بھی نذر پیش کیا پھر جب واپس ہونے لگا تو امام عالی مقام سے درخواست کی کہ اس کے ہمراہ بغداد تشریف لے چلیں۔ یہ سن کر امام مالکؒ نے قاصد سے کہا۔ اپنے آقا سے کہہ دینا تمہاری تھیلی اسی طرح سر بمہر رکھی ہوئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "مدینہ اپنے باشندوں کے لئے بہترین مقام ہے۔ بشرطیکہ وہ سمجھیں۔"

بہرحال علما پہلے طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں یا دوسرے سے ان میں سے ہر ایک کا عمل اور حکومت کے ساتھ ان کی روش کسی اپنے ذاتی جذبہ یا نفسیاتی کیفیت پر مبنی نہیں تھے بلکہ جو کچھ بھی تھا شرعی مصلحت کے تقاضے سے تھا۔

یہ جتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ علما سے میری مراد علمائے حق ہے اس میں شک نہیں کہ علمائے سُوء کے ہاتھوں اسلام اور مسلمانوں کو سخت اور ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے لیکن کیا کیجئے کہ فطرت کا قانون کچھ ایسا ہی ہے کہ چراغ مصطفوی کو شرار بولہبی سے ہمیشہ سابقہ رہا ہے، اس چمن زار ہستی کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ پہلو میں اگر کانٹے نہ ہوں تو پھولوں کے حسن کا رنگ زیادہ شوخ بھی نہیں ہوتا۔ وہ کونسا گروہ اور طبقہ ہے جس میں اچھے برے دونوں قسم کے لوگ نہیں ہوتے؟ حکمرانوں میں، امیروں اور وزیروں میں ڈاکٹروں میں، وکیلوں میں، تاجروں اور دکانداروں میں، ہر ایک میں اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی، اور آپ چند برے افراد کی وجہ سے پورے طبقہ سے متنفر نہیں ہو جاتے بلکہ اس کی اہمیت اپنی جگہ تسلیم کرتے ہیں۔ پس اسی طرح اگر علماء میں بھی کچھ افراد علمائے سُوء کا مصداق ہوئے تو آپ کو یا کسی کو زیبا نہیں ہے کہ ان چند لوگوں کی برائیوں کا ذمہ دار پورے طبقہ ہی کو قرار دیں۔ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی اور وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ارشاد ربانی ہے۔

آپ نے اپنے خط میں علما کی نسبت جو باتیں کہی تھیں میرا خیال ہے کہ میں سطور بالا میں ان سب کا جواب عرض کر چکا ہوں، اب حکمران طبقہ کے متعلق آپ نے جو ریمارک کیا ہے اس کے بارے میں مختصراً گزارش کرتا ہوں۔ معلوم نہیں آپ نے یہ کیسے لکھ دیا کہ (۱) حکمران طبقہ کا آپس میں کبھی ایسا اختلاف نہیں ہوا جس کی مصالحت نہ ہو سکے۔ اور (۲) حکمران طبقہ میں یک جہتی زیادہ ہے بہ نسبت علما کے۔

عرض یہ ہے کہ اگر اس سے آپ کی مراد پاکستان کا موجودہ حکمران طبقہ ہے تو میں اس کو تسلیم کر سکتا ہوں، اگرچہ یہ پھر بھی کہوں گا کہ یہ طبقہ دراصل فوجی ہے جو اس وقت حکمرانی کر رہا ہے اور یہ مسلمہ بات ہے کہ اس طبقہ میں ڈسپلن، نظم و نسق اور یک جہتی سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس بنا پر پاکستان کے موجودہ حکمران طبقہ میں ان اوصاف کے پائے جانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اصلاً ملٹری سے تعلق رکھتے ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے موجودہ حکومت سے پہلے جو وزارتیں بن بن کے بگڑ گئیں ان کا حال ساری دنیا کو معلوم ہے اور انہوں نے ملک اور قوم کی جو گت بنا دی تھی وہ کوئی چھپا ہوا بھید نہیں ہے۔

لیکن اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ تاریخ میں حکمران طبقہ کی خصوصیات ہمیشہ یہی رہی ہیں تو میری سمجھ میں نہیں آتا آپ نے ایک ایسی بات کیوں کر لکھ دی جس کی واضح اور صاف تردید تاریخ اسلام کا صفحہ صفحہ کرتا ہے ذرا سوچئے "تاریخ اسلام کی پوری طویل مدت میں جو بار بار حکومتیں بگڑی اور مٹی ہیں، بغاوتوں کے طوفان اٹھے، خانہ جنگیوں نے ملک کا امن و امان تباہ و برباد کر کے رکھ دیا، طوائف الملوکی نے عوام اور خواص کی زندگی اجیرن بنا دی، بھائی بھائی سے دست و گریباں رہا، اور چچا بھتیجا سے سرگرم پیکار، ان تمام چیزوں کا باعث ہمیشہ حکمران طبقہ رہا ہے یا علما کا طبقہ؟ بیشک لڑائیاں علماء میں بھی ہوئی ہیں جیسا کہ خود آپ نے بھی تحریر کیا ہے۔ لیکن دونوں طبقوں کی باہمی جنگ آزمائیوں کا مقابلہ و موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ علماء کی آپس کی لڑائیوں میں جو خون بہا ہے اس کو حکمران طبقہ کی باہمی جنگوں میں بہنے والے خون کے ساتھ وہی نسبت ہے جو ایک جوئے کم آب کو ایک بحر زخار کے ساتھ ہوتی ہے۔

عام طور پر لوگ شکایت کرتے ہیں اور آپ نے بھی کی ہے کہ علما میں کبھی اتفاق نہیں ہوا، وہ کبھی کسی بات پر متفق نہ ہو سکے اور ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما رہے ہیں۔ گزارش یہ ہے کہ یہ اختلاف جو ایمانداری سے کسی ذاتی غرض کے بغیر ہو (علمائے سُوء خارج از بحث ہیں) برا نہیں اچھا ہے، بلکہ اسلام جیسے عالمگیر اور وسیع مذہب کیلئے ناگزیر ہے۔

ہر تحریک کا خاصا ہے کہ ابتدا میں اس کے کارکنوں میں کچھ زیادہ

اختلاف نہیں ہوتا لیکن جب وہ تحریک بڑھتی اور پھیلتی ہے اور مختلف مزاج اور طبیعت کے لوگ اس میں شامل ہو جاتے ہیں تو اب اس تحریک کی عمر جتنی زیادہ ہوتی جاتی ہے اسی قدر اس کے ماننے اور چلانے والوں میں اختلافات زیادہ پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اسلام کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا اور اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں میں جو اختلاف سیاسی اغراض و مقاصد کے تحت پیدا ہوا اس نے اسلام کو شدید نقصان پہنچایا لیکن اس کے برعکس جو اختلاف سیاسی اغراض و مقاصد کے تحت پیدا ہوا اس نے اسلام کو شدید نقصان پہنچایا لیکن اس کے برعکس جو اختلاف فقہ اور استنباط احکام کی راہ سے داخل ہوا اس نے اسلام کو بے حد فائدہ پہنچایا۔ اس کی وجہ سے احکام شریعت میں وسعت اور لچک پیدا ہوئی، استنباط احکام کے اصول اور قواعد مرتب ہوئے اور یہ معلوم ہوا کہ احوال و ظروف کے تغیر و تبدل کی وجہ سے احکام سابقہ میں کس حد تک تغیر و تبدل کیا جا سکتا ہے اور کسی ملک اور قوم کے لوگوں کے عرف و عادت اور ان کے رسم و رواج کو اسلامی احکام و قوانین کے ساتھ ہم آہنگ بنایا جا سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں باتیں منقول ہیں۔ آپؐ نے مستقبل میں اختلافِ امت پر اپنے شدید غم و غصہ کا اظہار فرمایا ہے، چنانچہ بخاری میں حضرت زینبؓ بنت جحش سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خواب سے بیدار ہوئے تو روئے مبارک سرخ تھا اور فرما رہے تھے ــ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، عرب کے لئے اس شر سے ہلاکت ہوگی جو قریب آ گیا ہے اور اس سے اشارہ اس اختلاف کی طرف تھا جو ان میں پیدا ہوا، اور ساتھ ہی آپؐ نے اختلاف کو رحمت فرمایا ہے ان دونوں اقوال کی توجیہ یہی ہے کہ پہلی قسم کا اختلاف جو سیاست اور خاندانی یا نسلی عصبیت کی راہ سے آیا وہ سرتا سر شر تھا اور اس سے اسلام میں رخنے اور مسلمانوں میں تفرقے پیدا ہوئے لیکن جو اختلاف فقہ کی راہ سے ظہور پذیر ہوا اس سے اسلامی احکام میں وسعت اور فراخی پیدا ہوئی۔ چنانچہ خود صحابۂ کرامؓ میں فروعی مسائل میں جو اختلاف تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے ایک قول میں اس پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر صحابہؓ میں یہ اختلاف نہ ہوتا تو ہم تنگی میں ہوتے پھر یہ بھی دیکھئے کہ یہ اختلاف کہاں نہیں ہوتا؟ فلاسفہ اور حکما میں ہوتا ہے، قانون دانوں میں ہوتا ہے، ایک ہی علم و فن کے مختلف اصحاب میں ہوتا ہے۔ لیکن کیا اس اختلاف کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ آپ قانون، فلسفہ یا متعلقہ علم و فن سے ہی دستبردار ہو جائیں یا ان آئین میں اختلاف کرنے والوں سے بیزاری کا اظہار کرنے لگیں۔ اچھے بڑے ڈاکٹروں، پروفیسروں، اربابِ سیاست، امرا، فلاسفہ اور ادبا

اور شعرا کی وجہ سے ان لوگوں کا طبقہ برا نہیں بن جاتا، اسی طرح چند علمائے سوء جن کی شناخت چنداں مشکل نہیں ہے ان کی وجہ سے علما کا طبقہ بھی مذموم نہیں ہو جاتا۔ اگر کسی قانون کی تنفیذ کے لئے اس کے شارحین اور مبصرین کا وجود ناگزیر ہے تو یقیناً اسلامی احکام کی تنفیذ کیلئے بھی ایک ایسے طبقہ کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا جس کے افراد نے عمریں صرف کر کے اسلامی شریعت میں بصیرت اور درک و کمال حاصل کیا ہو۔

جہاں تک آپ کے خط کا تعلق ہے اس کا جواب پورا ہو گیا۔ اب آخر میں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ آپ نے "برہان" میں میرے جن نظرات کو ملاحظہ فرما کر یہ خط لکھا ہے ان کے لکھنے سے میرا جو مقصد تھا اور جو ان کی اصل اسپرٹ تھی غالباً آپ اس کو صحیح طور پر محسوس نہیں کر سکے ورنہ اس خط کی ضرورت نہ تھی میں نے "نظرات" میں نہ حکمران طبقہ کی مذمت کی تھی اور نہ علما کی مدح اور ستائش، بلکہ مقصد صرف یہ تھا کہ جدید سائنس جدید علوم و فنون، مغربی تہذیب کے عالمگیر اثرات اور بین الاقوامی سیاسی اور تمدنی افکار و حالات کی وجہ سے اسلامی سماج کے سینکڑوں نئے نئے مسائل پیدا ہو گئے ہیں جن سے کسی ایک ملک کے نہیں بلکہ دنیا کے تمام مسلمان آج کل دوچار ہیں اور علما کا فرض ہے کہ جن اصولِ اجتہاد کی روشنی میں فقہائے متقدمین نے اپنے زمانہ کے جدید معاملات و مسائل کا حل پیدا کر لیا تھا انہیں سے کام لے کر وہ آج کے مسائل کا حل معلوم کریں۔ مصر کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ آجکل یہ کام کر رہا ہے اور اسلامی فقہ اس کی علمی تحقیقات کا بہت اہم موضوع بنا ہوا ہے۔ دوسرے ملکوں کے علما کا بھی فرض ہے کہ اپنے اپنے ملک کے خاص حالات کے پیش نظر اس نوع کے کام کی طرف زیادہ سے زیادہ متوجہ ہوں۔ یہ کام حکمران طبقہ اور علما کے باہمی تعاون اور اشتراک سے ہی ہو سکتا ہے حکمران طبقہ کے ہاتھ میں قوت تنفیذ ہے اور علما تقنین کر سکتے ہیں۔ گویا آجکل کی زبان میں علماء کی حیثیت وہی ہے جو ممبران پارلیمنٹ کی ہوتی ہے۔ اگر کوئی حکومت پارلیمنٹ کو بالکل نظر انداز کر دے یا پارلیمنٹ حکومت سے تعاون نہ کرے دونوں صورتوں میں ایک عوامی اور جمہوری حکومت قائم نہیں رہ سکتی۔

میں یہ بھی واضح کر دوں کہ میری یہ گفتگو صرف ایک اصولی گفتگو ہے۔ پاکستان میں ابھی جو اصلاحات نافذ ہوئی ہیں وہ اسلامی نقطۂ نظر سے کیسی ہیں؟ اس کے متعلق میں نے ابھی تک اپنی کوئی رائے ظاہر نہیں کی ہے۔

فقط۔

والسلام

ٹیلیفون نمبر
۶۷۵۲۵

The Weekly "KHUDDAMUDDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

رجسٹرڈ ایل نمبر
۶۰۴۷

منظور شدہ محکمۂ تعلیم
(۱) لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری G/۲۱/۱۶۴۳ مورخہ ۲ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C-۲۲۴-۲۳۸۱ مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۵۶ء
(۳) کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۲۹/۹/۲۰۶۶۷-D.D.4 مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۶۲ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ میمورنڈم G.M/۲۰-۱۵۲۱ مورخہ ۲ مارچ ۱۹۶۷ء

"کیا کہوں؟"

سید امین گیلانی
شیخوپورہ

ظلمتِ شب ہے پھیلی ہوئی چار سُو، تم بضد ہو، میں اس کو سویرا کہوں
جب میں اندھا نہیں ہوں تو اس کے سوا اور چارہ ہے کیا، تم کو جھوٹا کہوں

رہنمائی کا پرچم لیے ہاتھ میں کارواں کو جو لوٹے، اُسے کیا کہوں
خوف کھا کر اسے رہنما مان لوں یا میں بے خوف ہو کر لٹیرا کہوں

بن بلا مجھ سے ہمدرد بن کر ملا، میرے دل کا مگر درد بڑھتا گیا
آج تک فیصلہ میں نہیں کر سکا، غیر کس کو کہوں، کس کو اپنا کہوں

میں ہوں کُشتہ محبت کی تلوار کا، موت ہی زندگی کا نشاں بن گئی
تم کہو منصفو! اپنے قاتل کو میں اپنا قاتل کہوں یا مسیحا کہوں

میں تھا پیاسا یہ صحرا مجھے دور سے بہتے دریا کی صورت دکھائی دیا
صورتِ حال اب ہے مرے سامنے، تپتے صحرا کو میں کیسے دریا کہوں

اہلِ دل سے تو بیشک یہ دریافت کر، دل تو وہ ہے جو بے چین و بے تاب ہو
درد سے جو نہ تڑپے وہ دل، دل نہیں، کیوں نہ اس دل کو پتھر کا ٹکڑا کہوں

احترام آدمیت کا جس میں نہیں، ایسے شیطاں کو میں کیوں کہوں آدمی،
احترام آدمیت کا جس نے کیا، کیوں نہ اس آدمی کو فرشتہ کہوں،

زہر پی لوں گا آبِ بقا جان کر، میرے مشرب میں لیکن یہ جائز نہیں
رات کو دن کہوں، جھوٹ کو سچ کہوں، خار کو پھول، پتھر کو ہیرا کہوں

ظالموں سے کہو جابروں سے کہو، چھین سکتا نہیں کوئی میرا یہ حق
آنکھ جیسا جسے دیکھتی ہے اسے، میرا حق ہے کہ میں اس کو ویسا کہوں

عبید اللہ انور پبلشر نے پرنٹر خواجہ طارق لطیف کیمبرج پرنٹنگ پریس لاہور میں چھپوا کر شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا۔